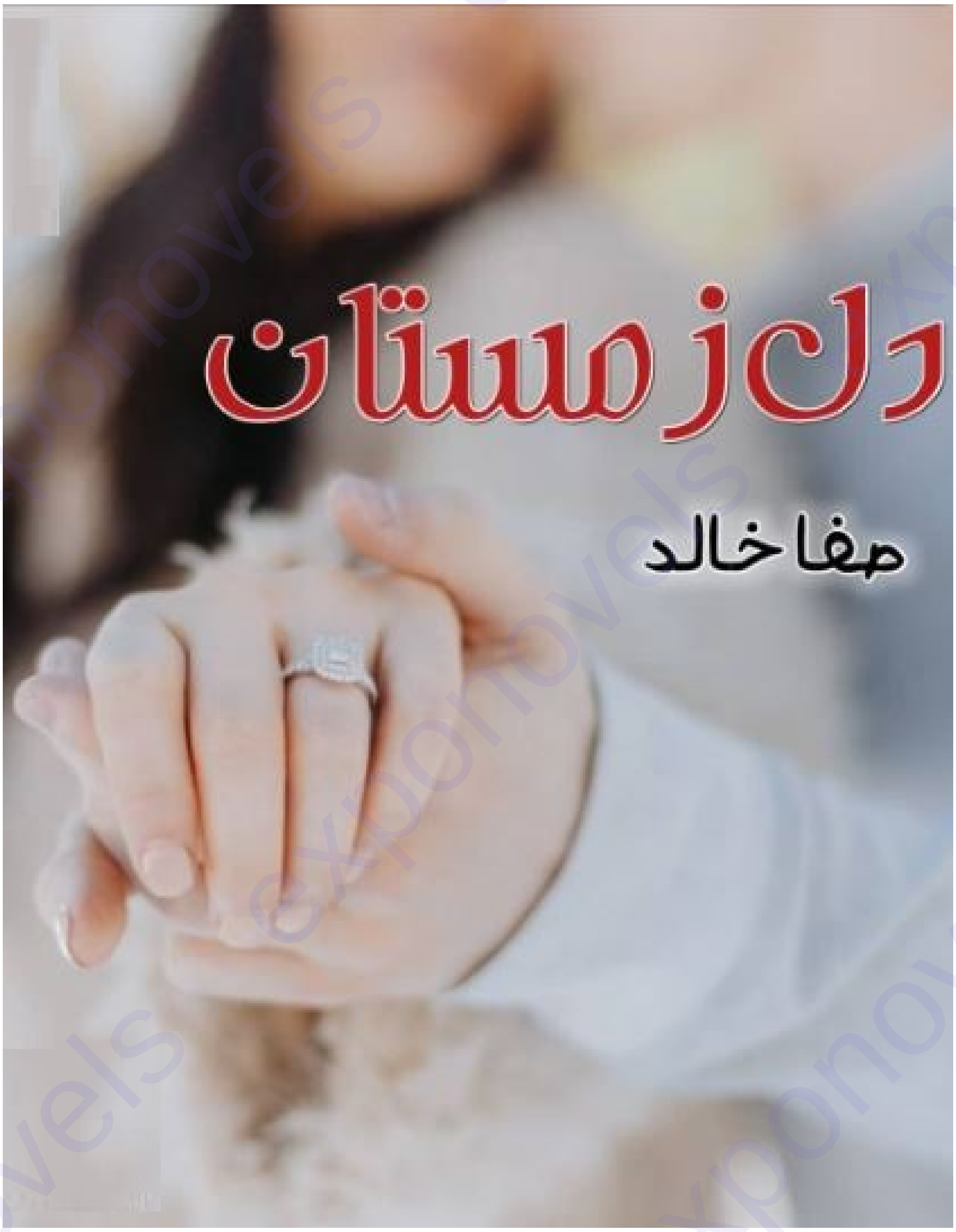
دلِ زمستان
صفا خالد

دل زمستان

صفا خالد

For more visit (exponovels.com)

دل زمستان

از قلم۔ صفا خالد

میں جھلی کملی پیر سائیں۔۔۔
میں ہجر کی ماری پیر سائیں۔۔۔۔
اک ایسا کوئی تعویز بنا۔۔۔۔
پڑھ کوئی تنتر منتر سائیں۔۔۔
ملتی نہیں کوئی رمز ایسی۔۔۔
جو کلیجہ کاٹ کے ظاہر ہو۔۔۔
چڑھا کر تختۂ دار پہ۔۔۔۔
پھر لکھ داستاں منصور کی۔۔۔
ہو جائے پوری ریت سائیں۔۔۔
عشق پہ کرا دے بیعت سائیں۔۔۔ صفا خالد

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

شاہ میر یونیورسٹی گیٹ کے سامنے شاہ ذین کا انتظار کر رہا تھا۔ شاہ ذین نے قسم کھای تھی دیر سے نکلنے کی۔ وہ اپنی بلیک سوک کی بیک سائیڈ پہ ٹیک لگائے انتظار میں کھڑا تھا۔ تب ھی اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی۔ وہ بھی شاید سواری کے انتظار میں کھڑی تھی۔ شکل سے جنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ بال ڈھیلے سے جوڑے میں قید تھے۔ ایک کان میں ہینڈ فری گھسائے بیزاری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کے شاہ میر اپنا رخ موڑتا ایک سفید گاڑی بجلی کی سی سپیڈ سے اس لڑکی پر کیچڑ برساتی گزر گئی۔ لڑکی ایک جھٹکے سے چیخی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اوئے اندھے ہو گئے ہو کیا۔ کار کو باپ کا جہاز سمجھ کے چلا رہے ہو۔ '

مگر گاڑی والا شدید جلدی میں تھا۔ پیچھے مڑے بغیر وہ چلتا بنا۔

لڑکی کی رف سی جین پر گندے پانی کے چھینٹے پڑ گئے تھے۔ چہرے سے پہلے ہی ستائی ہوئی لگتی تھی۔ اب مزید ست گئی تھی۔

اس نے مدد کے لیئے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اچانک اس کی نظر شاہ میر پہ پڑی۔ جو اس کے دیکھتے ہی بڑی آسانی سے اپنا رخ پھیر گیا تھا۔
لڑکی اسی سفید گاڑی کی رفتار کا مقابلہ کرتے ہوئے شاہ میر کے سر پہنچی۔

تم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھ سکتے ہو لیکن مدد نہیں کر سکتے۔۔'

جی۔۔۔۔آپ مجھ سے بات کر رہی ہیں۔ اس نے بلیک گلاسز ایک کو انگلی سے نیچے کیا۔ اور دوسری انگلی اپنے سینے پر بجانے لگا۔

۔۔نہیں آپ کے پیچھے ایک بھوت کھڑا ہے اس سے مخاطب ہوں۔
شاہ میر نا سمجھی میں پیچھے مڑ کے دیکھنے لگا

۔۔او مسٹر بھوتوں پر ریسرچ بعد میں کر لینا فی الحال مجھے کوئی ٹیشو یا پانی کی بوتل دو۔۔

شاہ میر کو لڑکی کی بے باکی کچھ پسند نہیں آئی تھی۔ پھر بھی اس نے گاڑی سے پانی کی بوتل نکالی اور لڑکی کی طرف اچھال دی۔ جیسے کہہ رہا ہوں
'جاو بی بی جان چھوڑو'

وہ کروفر سے 'تھینکس' کہہ کر چلتی بنی۔

شاہ زین کے پہنچتے ہی اب اس لڑکی کا سارا غصہ اس پر نکالنے والا تھا۔ یہ بات اٹل تھی۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - -

شہر سے ذرا پرے شروع ہوتی ہے بہاولپور کی ریتلی زمین۔ ریت کے اونچے اونچے ٹیلے جو مٹی کی سطح کھنگال کر تہہ در تہہ جڑ کے قدوقامت پہاڑ بن گئے ہیں۔ آنے والوں کے استقبال کے لیے ہمیشہ تندہی سے کھڑے رہتے ہیں۔ اس شہر سے بارہ، تیرا کلومیٹر کی مسافت پر ایک ایسا گاؤں واقع ہے جو اپنی روایات میں جکڑا ہوا ہے۔ وہاں کا نسل در نسل چلتا پیر خاندان گاؤں کے باسیوں کیلیئے مائی باپ کا درجہ رکھتا ہے۔

بخت محل خوبصورت لال اینٹوں سے بنی ایک ایسی چار دیواری ہے۔ جہاں روایات کا پاس کسی ذی روح کی جان بھی نگل لے تو مضائقہ نہ ہوگا۔
پیر شہاب الدین رائج الوقت گدی نشین ہیں۔ شریکِ حیات سکینہ بیگم اپنے تین بیٹوں پیر شازمان سائیں، پیر شاہ میر سائیں، پیر شاہ زین سائیں کے ساتھ گاؤں والوں کے عقائد کے تخت پر بڑی تسلی سے براجمان ہیں۔
خدا نے ایک نعمت سے بھی نوازا تھا۔ مگر اس نعمت کی عمر ذرا چھوٹی تھی۔ اپینڈکس پھٹنے پر جلد ہی جہان فانی سے کوچ کر گئ۔

گاؤں کا آغاز ہوتا ہے خوبصورت نہر کے کنارے سر سبز کھیتوں کے بیچوں بیچ ایک ایسے خوبصورت مزار پر جس کے سات مینار اس کی وجہ شہرت بنے۔ میناروں کی کہانیاں پر خوں سے کسی ریت کی طرح اگلی نسل میں منتقل ہوتی رہیں۔ لوگ جوق در جوق چلے آتے ہیں۔ من کی مراد پاتے ہیں۔ ہر گیارہویں پر بہت بڑے لنگر کا اہتمام ہوتا ہے۔ آنے والے کو خالی پیٹ واپس بھیجنا وہاں کا دستور نہیں۔ اگرچہ وہ پانی کے گھونٹ س ے ہی اپنے حلق کو تر نہ کر لے۔ ہر آنے والا پہلے مزار میں حاضری دیتا پھر گاؤں آتا۔ جلدی کا شکار لوگ ہاتھ 2 کے اشارے سے اسلام کرتے اور اپنی راہ لیتے۔

پرانی داستان ہے کہ سات میناروں میں سے ایک رات خوفناک اندھی کے باعث ایک مینار گر کر ٹوٹ گیا۔ لیکن جب لوگوں نے دوسری صبح اٹھ کر دیکھا تو وہ مینار اپنی جگہ پر قائم دائم تھا۔ تب سے یہ مزار میناروں والا مزار مشہور ہوگیا۔

پیر خاندان کے خون میں ملاوٹ نہیں تھی۔ اولاد کو اجازت نہیں تھی کہ وہ خاندان سے باہر شادی کریں۔ اور یہ روایت آج بھی قائم ہے۔

اسی خاندان کے ایک چشم وچراغ پیر بشارت سائیں پڑھ لکھ کر سرکاری ادارے میں ملازمت کرلی تھی۔ اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر شہر جا بسے تھے۔ ان کی تین اولادیں ہیں جن میں دو.بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بڑی بیٹی ایمان بشارت شاہ پھر منجلہ بیٹا پیر احمد شاہ اور سب سے چھوٹی بیٹی مہربانو بشارت شاہ۔

مہربانو کے نام کا بھی ایک قصہ مشہور ہے۔ پیر شہاب الدین کی والدہ آنسہ مہربانو بسترِ مرگ پہ تھی۔

بشارت شاہ کی بیوی زلیخہ بی بی گود میں ایک دن کی بچی اٹھائے کمرے میں داخل ہویں۔
جیسے ہی بی بی بڑی سرکار نے بچی کو گھٹی دی بڑی سرکار کی روح جہان فانی سے کوچ کرگئ۔
گاؤں کہ ان پڑھ لوگوں نے اس کو بھی ایک معجزہ تصور کیا اور بچی کا نام اُنسہ مہربانو بیگم کے
نام پر رکھ دیا۔

یہ بچی اب 18 سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے۔ ا
مگر اس میں کوئی ایسا رنگ نظر نہیں آتا۔ جس سے یہ بچی پیر زادی لگے۔
وہ ایک بہترین کالج میں ایف ایس سی پری میڈیکل کی طالبہ ہے۔ ذہانت تو جیسے کوٹ
کوٹ کر بھری ہے۔ پڑھائی کے علاوہ وہ کاغذ پر آڑی ترچھی لائن اس انداز سے کھینچتی ہے۔
ایک بے نام سے کاغذ پر بنا مجسمہ جیتی جاگتی ہستی نظر آنے لگتا ہے۔ ہر وقت کانوں میں
ایرپوٹ گھسائے کورین میوزک بینڈ بی ٹی ایس کو خراج عقیدت پیش کرتی نظر آتی ہے۔
لڑکیاں جو آجکل چائنیز کورین اور ترکی کے ڈرامے اردو ڈبنگ میں دیکھتی ہیں۔ وہ یہ تمام
ڈرامے بہت عرصہ پہلے انگلش سب ٹائٹل میں دیکھ چکی ہوتی ہے۔ ڈھیلا ڈھالا کرتا اور
جین اس کو دنیا مافیا سے بیگانہ بنائے رکھتے ہیں۔ لمبے کالے بال، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں،
سرخ و سفید شہزادیوں جیسی رنگت، درمیانے سائز کا قد، اس کی شخصیت کو مزید پر کشش

بناتا ہے۔ مگراس کے مقابلے میں اس کی بڑی بہن ایمان بشارت شاہ کم گو، گھریلو کام کاج میں مصروف، ماں باپ کی فرماں برداری چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھنے والی ہے۔ بی اے کے بعد اس نے پڑھائی کو خیر آباد کہہ کر گھر گرستی سیکھنا شروع کی۔
مگراس خاندان کے اکلوتے چشم وچراغ پیر احمد شاہ کو شہر کی ہوا نے بدمست کر رکھا ہے۔
اپنے سڑک چھاپ دوستوں کے ساتھ سارا دن شہر کی گلیاں ناپنے میں گزارتا ہے۔
ماں باپ اس صورتحال سے کافی فکرمند ہیں۔

بشارت شاہ بیٹے کے دن رات بدلتے حالات سے کافی پریشان ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ واپس جائیں گے تاکہ اپنی نسل کو راہ ہدایت پر لے آئیں۔

۔۔ یارامی آپ سال میں دو تین بار تو جاتی ہیں گاؤں اب اتنا بھی کیا عشق گاؤں سے کے وہیں کے ہو کے رہ جائیں۔ ویسے مجھے ابھی ایم کیٹ (ایم بی بی ایس کے لیے ٹیسٹ) بھی دینا ہے۔ مجھے مشکل ہو گی روز آنے جانے میں۔۔۔ مہر باپ کے اس فیصلے سے خوش نہیں تھی۔

جبکہ ایمان چپ چاپ پیکنگ کرنے میں مصروف تھی

۔۔ تم بھی کبھی بول لیا کرو۔ اللہ میاں کی گائے بنی گھومتی رہتی ہو۔ یا پھر راتوں کو اٹھ اٹھ کر تہجد میں روتی ہوں۔۔ تہجد والی بات مہر نے آہستگی سے کہی تھی مگر ایمان کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

۔۔ تم اور احمد ہو نا تم دونوں کے ہوتے ہوئے بھلا کسی اور کی جرت ہے کہ وہ بات کرے۔ ایمان نے بنا دیکھے جواب دیا۔ پتہ نہیں کون سا یاقوت اس کے اندر پگھلتا رہتا تھا۔ جو ہمیشہ پلکوں پہ موتی چن رکھتی تھی۔

۔۔ امی مجھے تو آپ ہوسٹل میں کروا دیں۔ ویسے بھی میرا ابھی کالج میں پہلا سال ہے۔ یونیورسٹی پہنچتے تک تو میں نے گاؤں سے شہر آتے آتے ہی کسی سڑک پہ ضائع ہو جانا ہے۔۔۔ احمد قطعاً شہر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

مگر بی بی زلیخہ کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا۔۔ سو انھوں نے بحث سے پرہیز کی اور پیکنگ میں ایمان کی مدد کروانے لگیں۔

۔۔کیا فائدہ بحث کرنے کا پہلے اس گھر میں کبھی کسی نے سنی ہے ہماری۔۔۔احمد نے غصے سے دروازے کو ٹھوکر ماری اور چلا گیا۔

باپ کے ہوتے ہوئے اس کی یہ جرت کبھی نہ ہوتی تھی۔ البتہ بیٹیوں کے معاملے میں خاص کر مہر کے معاملے میں بشارت شاہ کافی آزاد خیال تھے۔ مہر میں ان کو بڑی سرکار نظر آتی تھی
۔مہر کی کبھی کوئی فرمائش رد نہیں ہوی تھی۔ لیکن مہر کا حال بھی تو الٹا تھا۔سارا دن بی ٹی ایس ڈرامے گانے فلم مگر پھر باپ کے آتے ہی کتابیں اٹھا کر بیٹھ جاتی۔ بابا اس کی ذہانت سے کافی متاثر ہے۔اس میں ان کو ایک ڈاکٹر نظر آتی ہے۔

۔۔ایمان بیٹا دیکھو جو تمہارے جہیز کے لئے سامان بنایا ہے ان چیزوں کو گھر کی چیزوں کے ساتھ مکس میں نہیں کرنا ان کو الگ ہی رکھنا۔۔ایک ڈیڑھ مہینے میں تو تمہاری شادی ہے تمہارے بابا سائیں سے کہا بھی تھا کہ اب شادی پر ہی جائیں گے مگر وہ جب کوئی فیصلہ

کر لیتے ہیں تو سنتے کہاں ہیں کسی کی ایسے ہی راتوں رات فیصلہ کیا تھا شہر آنے کا۔۔۔۔۔زلیخہ بی بی گھر میں پھیلاوا دیکھ کر سخت غصہ میں تھیں۔

ان کے پاس آج ہی کی تو رات تھی۔ صبح انہوں نے گاؤں کے لیۓ نکلنا تھا شہر کو ہمیشہ کے لیۓ خیر آباد کہہ کر۔

شاہ میر جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا شاہ زین کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔

۔۔ایمان دیکھو یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ میں جو بھی کرنا ہے بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہو گا۔۔

شاہ زین کی بات پر شاہ میر ذرا حیران ہوا

۔۔ایسی کونسی بات ہے جو تم دونوں اتنے رازدار بن کے چھپ چھپ کے کرتے ہو۔

شاہ میر کو دیکھتے ہیں شاہ ذین کے ہاتھوں سے موبائل چھوٹے چھوٹے بچا۔

نان۔ نن۔ نہیں بھائی۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔مجھے سمجھ نہیں آتی منگیتر وہ میری ہے مگر باتیں تم سے کرتی ہے۔آخر تم دونوں مل کر میرے خلاف کون سی چال چل رہے ہو۔۔۔!

۔نہیں بھائی چال کیسی۔وہ لوگ کل گاؤں شفٹ ہو رہے ہیں نہ تو وہی بات کر رہے تھے۔

۔۔اچھا سنو زمان لالہ کے ساتھ صبح کپاس کے ٹرک لوڈ کروا دینا۔وہ آج کل مصروف رہتے ہیں۔اور مجھے بابا سائیں مزار اور حجرے سے باہر کم ہی نکلنے دیتے ہیں۔شاہ میر بولا

۔۔جی جی آپ مستقبل کے پیر سرکار جو بننے والے ہیں۔آپ کو اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں ہی گزارنا چاہیے۔ذین کا دھیان موبائل میں ہی لگا تھا۔

اور تمہارا مستقبل میں کیا ارادہ ہے۔شاہ میر کی بات پر اس نے سر اٹھا کر بھائی کو دیکھا۔

۔۔میں چاچو بشارت سائیں کی طرح شہر میں ہی کاروبار کروں گا۔آخر اپنی ڈگری ضائع تھوڑی کرنی ہے۔۔

شاہ زین ایم بی اے کے فائنل ائیر میں ہے۔ جبکہ شاہ میر کو ایف ایس سی کے بعد ملک کے نامور جامعہ مدرسہ میں حفظ قرآن تفسیر اور بہترین قاری، عالم بننے کے لئے بھیجا گیا۔ چھ سال کے بعد وہ اسلامک اسٹڈیز میں ایم فل کی تعلیم لے کر گاؤں لوٹا۔ اب وہ پیر شہاب الدین اپنے والد سے پیری مرشدی کی خاص ٹریننگ لے رہا تھا۔

سکینہ بی بی اپنی چچا زاد بہن زلیخہ بی بی کی آمد پر بہت خوش تھی۔ انہوں نے بشارت حویلی کو مکمل طور پر صاف کروا کے سجا دیا تھا۔
بشارت حویلی وقت محل کے ساتھ ہی واقع ہے۔ بشارت صاحب نے حویلی کی دوبارہ تعمیر کروا کر اس کو شہر کی طرز پر ایک کوٹھی کی طرح بنا لیا تھا۔ حویلی اور محل کی چھت سے ادھر سے ادھر آنے کا رستہ موجود ہے۔

۔۔آپ کا کیا چلا جانا تھا اگر آپ میرے اور مہر کے ساتھ کھڑی ہو کر بولتی۔ بابا مان جاتے ہمیں شہر کی پر آسائش زندگی گاؤں میں کبھی نہیں ملنی۔ اتنی بھی کیا جلدی تھی شادی تک

انتظار کر لیتی وہیں جانا تھا آخر آپ نے ۔ ۔ ۔ احمد ایمان سے کافی ناراض تھا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ کھڑی ہو کر بابا کے آگے نہیں بولی تھی

۔ ۔ احمد میرے بھائی تم جانتے ہو کہ بابا فیصلہ کر چکے ہیں ان کو منانا ناممکن ہے۔ مہر بھی ان کو نہیں منا سکی۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی سب سے پیار سے بات کرتی تھی۔

احمد وہ ٹھیک کہہ رہی ہے بابا نہیں ہمارے کبھی نہیں سنی اس بار وہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ ۔ ویسے بھی یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے تمہیں کس نے کہا تھا فرسٹ ایئر میں دوبار فیل ہونے کو۔ ۔ ۔ تمہارے ساتھ ساتھ اب ہمیں بھی بھگتوں گئ۔ دھول مٹی سے تو میرا سانس بند ہوتا ہے پتا نہیں وہاں تو چار دن زندہ بھی رہ سکوں گی کہ نہیں۔
مہر احمد کی زبان قابو کرنا چاہتی تھی۔ کہ کہیں بابا سائیں اس کی چھترول ہی نہ کر دیں۔

۔ ۔ چلو اٹھ کے ہاتھ دھو کے آؤ میں کھانا لاتی ہوں۔ کھانے سے بھلا کیسی ناراضگی۔ نعمت سے منہ نہیں موڑا کرتے۔ ۔ ایمان سے بھائی کی بھوک برداشت نہیں ہو رہی تھی

اس نے دو دن سے ناراضگی میں گھر سے کچھ نہیں کھایا باہر سے وہ برگر شوارما جو کھا آتا تھا۔

۔۔ہاں چلو شاباش میرے بھائی تم تو ہم دونوں بہنوں کے محافظ ہو تم کھانا نہیں کھاؤں گے تو ہم دونوں بہنوں ہمارے بوڑھے ماں باپ کس کے آسرے پر اپنی زندگی گزاریں گے۔۔ مہر نے نقلی آنسو صاف کرتے ہوئے اداکاری کی۔

۔۔بس کرو تم ڈرامے دیکھ دیکھ کر اب ڈرامے کرنے بھی کرنے لگی ہو۔مجھے فیل ہونے کا طعنہ دے رہی ہو میں بتاؤ بابا کو کہ کس طرح کے کھلم کھلا بے حیائی والے ڈرامے دیکھتی ہو تم۔۔ احمد نے مہر کو انگلی دکھا کر کہا

ہاں بتا دو میں ڈرتی تھوڑی ہوں۔ ڈرامے دیکھتی ہوں تو پڑھ کر بھی دیکھاتی ہوں۔ تمہاری طرح سارا دن سڑکیں نہیں نہ ناپتی۔۔ مہر کون سا پیچھے رہنے والی تھی۔

اور جو بکواس کرتی ہو کہ کسی کورین یا ترک لڑکے سے شادی کرو گی وہ اگر بابا سائین سن لیں تو۔۔۔۔ احمد بولا

۔۔ تو سن لیں میرا کام آسان ہو جائے گا۔ ویسے بھی مجھے عجیب داڑھیوں والے کالے پیلے لڑکے نہیں پسند۔۔ جبکہ مہر نہیں جانتی تھی کہ اس کی قسمت میں ان سب سے بڑھ کے کچھ لکھا ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

11 بجے کے قریب بشارت فیملی بخت محل پہنچی۔ ملازم ان کا سامان بشارت حاویلی منتقل دس کر رہے تھے۔

شاہ ذین اپنی عادت کے بر عکس جلدی اٹھا تھا۔ چچی سرکار سے مل کر احمد کی طرف بڑھا

۔ تو بدھو لوٹ کر گھر کو آ ہی گئے آخر۔۔ احمد سے ملتے ہوئے اس نے چوٹ کی

۔۔زین بھائی آپ تو ایسا نہ کہیں ہمارے پر کاٹ کرلایا گیا ہے ہمیں یہاں ۔۔احمد رو دینے کو تھا۔

ایمان سر جھکائے بیٹھی تھی جبکہ مہر محل کی سیر کو نکلی۔۔۔اس کی نظر زینب اور حسن پر پڑی۔ بہت عرصے بعد وہ ان سے مل رہی تھی۔ زینب نے تب چلنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔ مگراب وہ تین سال کی بچی بھاگتی دوڑتی پھر رہی تھی۔

زینب اور حسن شاہ زمان کی اولاد ہیں۔ زینب کی پیدائش پر شازمان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ بچوں کو دادی اور بی جی نے پالا تھا۔

خود شاہ زمان شامیر اور شاہ ذین بھی بے جی کے ہاتھوں پلے تھے۔ وہ اس حویلی کی سب سے پرانی ملازمہ تھی مگراب ان کو ملازمہ نہیں بلکہ گھر کا فرد سمجھا جاتا ہے۔ شوہر کی وفات کے بعد وہ محل میں ہی ٹک گئ۔

۔۔اتنی پیاری پرنسز کس کی ہے۔۔مہر نے زینب کو دیکھ کر کہا

میں زین چاچو کی پرنسیز ہوں۔ میرا نام بھی ذین ہے۔۔ زینب کو زین سے بہت لگاؤ تھا
اس لیے اپنے نام کو شارٹ فارم میں زین کہتی تھی۔
اور یہ پرنس کس کے ہیں۔ اس نے حسن کو دیکھ کر کہا
میر چاچو کا۔۔اس نے اتنی ہی بات کی۔

ایمان کی فوٹو کاپی۔ مہر نے اس کے کم بولنے پر سوچا۔ مہر بچوں سے جلدی گھل مل جانے
والی تھی۔

احمد اب بھی کچھ کھانے کو تیار نہ تھا۔ ایمان کی جان نکلی جاتی تھی۔
بہنیں ایسی ہی تو ہوتی ہیں۔ بھائیوں میں جان بستی ہے ان کی
عربی کہاوت ہے کہ 'اگر یوسف علیہ السلام کی کوئی بہن ہوتی تو کبھی ان کو کونئیں میں چھوڑ کر
نہ آتی۔'
مگر بھائیوں کے بارے میں ایک ترک کہاوت بھی مشہور ہے 'کوئی تم سے کہے کہ میں
تمہارا بھائی ہوں تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ ھابیل ہو یا قابیل۔'
۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شاہ میر فجر کی جماعت کروا کر بچوں کو مسجد میں قرآن پاک پڑھایا کرتا تھا اور کچھ بچوں کو حفظ بھی کروا رہا تھا۔ جمعہ کو خطبہ دینا اذان کہنا امامت کروانا اس نے دو سال سے اس ذمہ داری میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی تھی۔

سردیوں کی آمد آمد تھی۔ شاہ میر چھت پہ ٹھنڈی میٹھی دھوپ میں بیٹھا جمعہ کے خطبہ کی تیاری کے لیے کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ جب اس کے کانوں میں کوئی نسوانی آواز پڑی۔

۔۔چارلی، چارلی دیکھو شرافت سے نیچے آجاؤ ورنہ میں تمہیں دو دن کھانا نہیں دوں گی۔۔۔

اس نے آواز کے تعاقب میں بشارت حویلی کی چھت پہ دیکھا۔ مہر پرشین بریڈ کی نر بلی کو پکار رہی تھی۔ جو حویلی کی منڈیر پہ کبوتروں کا شکار کرنے کے لئے بیٹھا تھا۔

چارلی کسی صورت نیچے آنے کو تیار نہ تھا لڑکی نے ایک لمبی سی چھڑی اٹھائی اور چھڑی کے ساتھ چارلی کو ڈرانے کے لیے چھلانگیں لگا رہی تھی۔۔ اس کے کالے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ پرانی سی جین اور رف سے کرتے میں اس لڑکی کو دیکھ کر شاہ میر کو وہ سڑک

والی لڑکی یاد آئی جس پر کیچڑ پڑ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکی کا چہرہ دیکھنے کے لیے مزید رکتا اسے غیب سے ایک آواز سنائی دی۔۔

'مومن مردوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ نامحرم عورتوں کو نظر اٹھا کر دیکھیں'

اپنے دل کی آواز پر اور موڑ کر واپس چ یلا گا

- - - - - - - - - - -

مہر نے اپنے رزلٹ کے لیئے جمعہ کے دن کا وظیفہ شروع کیا تھا۔ اس دیکھ کے ذرا بھی نہ لگتا تھا کہ وہ اللہ اور وظیفوں پہ یقین رکھتی ہوگی۔ مگر یہ اس کی تربیت کا کمال تھا۔ نماز پابندی سے نہیں پڑتی مگر اپنے رب پر مکمل ایمان رکھتی ہے۔

وظیفے سے فارغ ہو کر چھت پر رکھے ایک تخت پر لیٹ گئی۔ مسجد میں جمعہ کا خطبہ شروع ہو چکا تھا۔ خطبہ دینے والے کی آواز میں قدرترنم تھا کہ وہ آنکھیں موند کر سننے لگی

سورہ کہف آیت نمبر 9 سے اصحاب کہف کا قصہ بیان کرنا شروع کیا گیا۔ "

یہ چند نوجوان تھے جن کو اللہ پر کامل یقین تھا پہاڑ کے غار میں چھپ گئے تھے۔ کئی برسوں " تک یہ اس غار میں پوشیدہ رہے۔ زندگی کی کوئی رمزان میں نہ بچی تھی۔ پھر وہ اٹھائے گئے

یعنی ظاہر ہوئے اور پھر یہ سارا معاملہ اس لئے ہوا کہ واضح ہو جائے کہ دونوں جماعتوں میں "سے کون سی جماعت ایسی تھی جو وقت کے واقعات کا بہترین اندازہ کر سکتی تھی ۔

غار کا دروازہ ایسا تھا کہ جیسے ہی سورج بیدار ہوتا اس کی کرنیں غار کے اندر تک کا طواف کرتی جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا تو کرنیں پھر سے اس غار کے دروازے پر چمکتی ۔ وہ صالح لوگ اس غار میں بہت عرصہ تک سوئے رہے ۔ جب جاگے تو سورج غروب ہو رہا تھا ان کو لگا کہ وہ صرف ایک دن سوئے ہیں ۔ "ایک دوسرے سے پوچھنے " لگے کہ ہم کتنا سوئے ہیں ایک دن یا پھر اس سے بھی کم

ان کو بھوک محسوس ہوئی طے پایا کہ کوئی بڑی ہی ہوشیاری سے شہر جائے اور کھانا لے آئے ۔ ان میں سے ایک غار سے باہر آیا دیکھا تو باہر کا منظر بدل چکا تھا جس رستے سے وہ گزر کر آئے تھے وہ بھی بدلہ ہوا معلوم ہو رہا تھا ۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اتنے سے ہی وقت میں کیا ہو گیا ہے ۔ وہ ایک روٹی کی دکان پر پہنچا ۔ روٹیاں خرید کر جب اس نے چند سکے دکاندار کو دیے ۔ وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کیا تم نے کوئی خزانہ لوٹا ہے کیونکہ یہ سکے آج کے زمانے کے نہیں ہیں ۔ نوجوان حیران ہوا کہ ابھی تو اس شہر سے سکے لے کر گیے تھے ۔ دوکاندار نے ایک بھیڑ اکٹھی کر لی ۔ خبر بادشاہ تک پہنچی ۔ نوجوان نے تمام قصہ بادشاہ کے

گوش گزار کیا۔ بادشاہ نے کہا تم ہمیں اپنا گھر دکھاؤ۔ نوجوان بادشاہ کو اپنے گھر لے گیا دروازے پر دستک دی تو ایک بوڑھا شخص باہر آیا۔ نوجوان اس شخص کو دیکھ کے حیران ہوا۔ بوڑھا باضد تھا کہ یہ گھر اس کا ہے۔ نوجوان اپنے گھر کی چند ایک نشانیاں بتائیں اور اپنا نام بتایا۔ وہ بوڑھا نام سن کر اس نوجوان کے قدموں میں گر گیا اور کہنے لگا جو نام آپ نے بتایا ہے وہ تو میرے دادا جان کا نام ہے۔ بادشاہ سلامت یہ سب وہ صالح لوگ تھے جو بادشاہ دقیانوس کے ظلم سے بچ کر غار میں جا چھپے تھے۔ یہ سب سچ کہہ رہے ہیں۔ پھر غار کی طرف بڑے تاکہ دوسرے نوجوانوں کو بھی دیکھ سکیں۔ نوجوان نے کہا ٹھہرو پہلے میں غار میں جاؤں گا اور اپنے بھائیوں کو تمام قصہ سناؤں گا۔ اس نے غار میں اپنے بھائیوں سے کہا کہ ہم ایک دن نہیں بلکہ تقریباً 309 سال سوئے ہیں دقیانوس بہت سال پہلے مر چکا ہے۔ اس کے بعد خدا نے ان کی طرف ایک پیغمبر عیسٰی ابن مریم بھیجا وہ اب اللہ کے حکم سے آسمانوں پر چلے گئے ہیں۔ یہاں کا بادشاہ اور سارے لوگ اس پیغمبر کے ماننے والے ہیں۔ چلو آؤ ہم بھی شہر چلتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ اب ہمیں دنیاوی حاجت نہیں۔ ہمیں بس اپنے رب کی امان چاہیے تو یہ کہہ کر وہ پھر سے سو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ لوگ اب تک سو رہے ہیں اور اسی طرح سوتے رہیں گے۔

ایک روایت ہے کہ "اللہ تعالی نے صحابہ کہف کے لئے فرشتے مقرر کیے ہیں جوان کو کروٹ باکروٹ سلاتے ہیں۔ بخشتی پنکھے سے ان کو ہوا دیتے ہیں موسم کی گرمی سردی ان کو محسوس نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی جا لگا تھا وہ کتا اب تک ان کے ساتھ ہے۔۔"

مہر اس واقعے کو شروع سے نہ سن سکی تھی۔ اور اسے دلچسپی پیدا ہوئی اب وہ اس کی کھوج میں اپنا موبائل اٹھا کر بیٹھی۔ مگر خطبہ دینے والے کی آواز دل میں اتر چکی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بشارت شاہ فیملی کا آج رات کا کھانا بختا محل میں ہے۔ وقت محل کو مکمل سجایا جا رہا ہے۔ کیونکہ آج شاہ میر اور ایمان کے نکاح کی ڈیٹ فائنل ہونی ہے۔

۔۔امی مجھے نہیں جانا میرے سر میں بہت درد ہے۔ ایمان صبح سے ہی کچھ چپ چاپ سی ہے۔

کوئی درد نہیں سر ور میں ان کو شرم آ رہی ہے۔ یہ جا سے نہ جائے میں تو بہت ایکسا ئیٹڈ ہوں اپنے جیجو سے ملنے کے لیے۔۔ مہر بہت خوش ہے آج

۔۔ میں کو بتاؤں گی کیسے انہوں نے ان کے لیے جوگ لیا ہوا ہے۔ کیسے رات تہجد میں آٹھ کر روتی ہیں۔ ان کی ایک کال کے انتظار میں موبائل سارا دن ہاتھ میں رکھتی ہیں۔۔ مہر ایک بار پھر بولی

۔۔ خبردار اگر تم نے ان سے اس حوالے سے کوئی بھی بات کی۔ بلکہ تم ان سے کوئی بات ہی نہیں کروں گی کوئی۔۔۔۔ ایمان نے پریشانی سے مہر کو دیکھا

۔ یوں کہنیں نا کہ اب آپ جیلس بھی ہوتی ہیں۔ سمجھ آ گیا مجھے

۔ تم کبھی نہیں سمجھ سکتی مہر۔ تا کہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ہم روایتوں میں جکڑے لوگ بھلا کہاں کسی کو سمجھ آتے ہیں۔۔ ایک آنسو ایمان کے گورے گال پر لڑھک گیا

مان آپی آپ مجھ سے کبھی اپنے دل کی بات شیئر نہیں کرتی۔ بس چپکے سے روتی رہتی ہیں۔مجھے فکر ہوتی ہے آپ کی۔ آخر ایسا کیا ہے جب کسی کو نہیں بتا سکتی۔

مہر نے پیار سے ایمان کا ہاتھ تھامتے ہوے کہا۔

مجھے خود نہیں پتہ مہر مجھے کیا ہو گیا ہے۔ بس مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس دنیا سے کہیں دور چلی جاؤں۔ جہاں کسی بھی روایت کی زنجیر میرے پیروں میں نہ بندھی ہو۔۔۔۔ ایمان کے آنسو مہر کو تکلیف دے رہے تھے

- - - - - - - - - - - - - - - -

وہ سب بخت محل میں موجود خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مہر زینی اور حسن کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔ زینی کو پکڑتے پکڑتے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ سیڑھیوں سے لڑھکی اس سے پہلے کہ وہ گرتی کسی مضبوط سہارے نے اسے تھام لیا۔

سہارا دینے والے کی شال سے اٹھتے عطر کی خوشبو سے مہر کو کچھ یاد آیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سکتے میں آ گئی۔ یہ وہی آنکھیں تھیں جو اس کو سڑک کے کنارے گھور رہی تھی۔
کافی دل وہ اس آنکھوں کے سحر میں مبتلا رہی تھی۔

مقابلے میں اسے کے جھٹکے سے پیچھے کیا۔۔۔اور چلتا بنا۔

میر چاچو۔۔۔ آپ کی شادی ہو رہی ہے۔ حسن نے چاچو کو آواز دی۔ شاہ میر کو وہ میر کہتا تھا

مہر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ 'تو کیا یہ شاہ میر ہیں مان آپی کے منگیتر'۔
اگلے مہینے کی تیرہ تاریخ فائنل کر دی گئی تھی۔ اس دن سال کی بڑی گیارہویں ہے۔ پیر خاندان اس دن کو انتہائی عقیدت سے مناتے ہیں۔

سب باری باری آکر ایمان اور اس کے سامنے بیٹھی شاہ میر کا منہ میٹھا کروا رہے تھے۔ ایمان کے چہرہ سے صاف ظاہر تھا کہ مٹھائی اس کو کڑوی لگ رہی ہے۔ البتہ شاہ میر کے چہرے پر کوئی احساس نظر نہ آ رہا تھا۔

مہرہال کے آخری صوفے پر بیٹھی خوشی کے احساس سے عاری محسوس ہو رہی تھی۔۔ ایک آدھ نظر شامیر پر ڈالتی اور واپس رخ پھیر لیتی۔

- - - - - - - - - - - - - -

زین میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ہم ماں باپ کے بغیر خوش نہیں رہ سکتے۔ ہماری' تربیت ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم اپنے بزرگوں کے فیصلے کو اپنی خوشیوں کی بھینٹ چڑھا دیں۔۔۔

۔ مگر مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ کہ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ دیکھو۔ میں یہ نہیں کر سکتا۔ میں تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر سکتا۔ میں حویلی چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جاتا ہوں۔ یہی بہتر ہے۔ مگر اپنے دل سے پوچھو کیا رہ لوں گی میرے بغیر۔ جب یہ گھر والے میرا نام لیں گے کیا تمہارا دل تڑپے گا نہیں میرے لیے۔۔۔

وقت تمام جذبوں پر مرہم رکھ دیتا ہے۔ ہماری غلطی ہے کہ ہم نے اپنے دل کو سمجھایا' نہیں ہم نے بغاوت کی۔ ورنہ بڑوں کا فیصلہ ہمارے سامنے تھا۔۔۔۔

۔ ٹھیک ہے پھر مجھے آخری بار دیکھ لو۔ بلکہ خود کو مجھے دیکھ لینے دو۔ کل صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے میں کسی کو بھی بتائے بغیر اس گاؤں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ جاؤں گا۔۔۔۔

۔۔ نہیں۔ میں اتنا بڑا ظلم نہیں کر سکتی۔ میں آپ کے ماں باپ کو اولاد کی جدائی کا دکھ نہیں دے سکتی۔۔۔۔

کیا کرو پھر مر جاؤں کیا۔ یہ تو طے ہے کہ میں تمہیں کسی صورت کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔
اس سے پہلے کہ وہ دونوں کوئی اور بات کرتے ایک دم سے بجلی چلی گئی۔ زین نے فوراً جیب سے موبائل نکالا مگر اس کے ٹارچ عام کرنے سے پہلے ہی روشنی ظاہر ہوئی۔

شاہ میر موبائل ہاتھ میں پکڑے ۔ ان کو بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب سن چکا تھا۔

اور کچھ نہیں بولا اور وہاں سے چلا گیا۔

ایمان کی جان نکل چکی تھی۔ زین کے پیروں میں بھی زمین نہیں بچی تھی۔

اب ہم کیا کریں گے ۔۔ اگر انھوں نے کسی کو بتا دیا تو بابا مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

۔۔ میں بھائی سے بات کرتا ہوں ۔۔ زین ایمان کو وہی سکتے میں چھوڑ کر شاہ میر کی طرف بھاگا

بھائی بات سنے پلیز ایسا نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔۔

۔۔ میں کچھ نہیں سمجھ رہا زین۔ میں نے بس وہ سمجھا ہے جو تم لوگوں نے مجھے دکھایا۔۔۔ شاہ میر کے چہرے پر اب بھی کوئی احساس نہیں تھا
زین پاؤں سے زمین کو کھرچنے لگا

آپ گھر والوں کو کچھ نہیں بتائے گا وہ اسے تکلیف دیں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہ گاؤں چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔۔۔ کبھی آپ دونوں کے سامنے بھول کر بھی نہیں آؤں گا۔ بس ایمان حفاظت سے رہے۔۔۔۔ زین نے اپنے بھائی کے سامنے ہاتھ جوڑے

توکیا ایسے ایمان خوش رہنے لے گی؟۔۔۔ شاہ میر میں زین سے پوچھا

زین کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ شاہ میر کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں سب لوگ موجود تھے

زین کا دل اب حلق تک پہنچ چکا تھا۔ بھائ کے پیچھے جانے کی ہمت نہیں تھی۔

اچانک حال سے پیر شہاب الدین کے گرجنے کی آواز آئی۔ ذین آواز سن کر حال کی طرف بھاگا

۔۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم شادی سے انکار کردو۔ تم مستقبل کے گدی نشین ہو۔۔۔

بابا میں آپ کا ہر حکم بجالانے کو تیار ہوں۔ مگر یہ شادی نہیں کر سکتا۔۔۔شاہ میر بڑے سرکار کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔۔ وہاں موجود تمام لوگ پتھر کا مجسمہ بن گئے تھے۔

بڑے سرکار کا بھاری ہاتھ اٹھا اور شاہ میر کے چہرے پر نقش ہوگیا۔۔ مگر وہ ایک انچ بھی نہ ہلا ہاتھ جوڑے کھڑا رہا۔

بابا آپ مجھے سو کوڑے مار لیں میں اف تک نہیں کروں گا۔ مگر شادی نہیں کر سکتا۔۔۔

بڑے سرکار سوفے پر ڈھے گے۔ یہ توان کا سب سے فرمانبردار بیٹا تھا۔ اس سے بہت امیدیں جڑی تھی ان کی۔ مگر سب کرچی کرچی بکھر گئی۔

بشارت سائیں اور زلیخہ بی بی شاید کسی زلزلے کی زد میں آ گئے تھے۔ ایک لفظ محال جوان کے منہ سے نکلا ہو۔

۔۔ ٹھیک ہے پھر میرا فیصلہ بھی سن لو۔ تم کسی سے بھی شادی نہیں کرو گے کبھی۔ تم اپنی پوری زندگی بے سہارا رہو گے۔۔۔۔

مگر خاندان والوں کو کیا جواب دیں گے سائیں۔۔۔ بشارت سائیں کو جیسے بیٹی نہیں خاندان والوں کی فکر تھی۔

خاندان والوں سے کہہ دوں گا پیر شاہ میر نے اللہ کے لیے اپنا حق چھوڑ دیا۔ اپنی پوری زندگی اللہ کی عبادت اور لوگوں کی بھلائی پہ وقف کرنا چاہتا ہے۔۔۔ بڑے سرکار کا فیصلہ جیسے اٹل تھا۔

شاہ میر نگاہیں زمین پر گھاڑے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے کبھی باپ کے سامنے سر نہیں اٹھایا تھا۔ مگر آج اپنے بھائی کی محبت کے لیے ڈٹ گیا تھا۔۔۔ بابا کا فیصلہ اس کے سر پر کسی ہتھوڑے کی طرح برسا۔ وہ پاؤں پاؤں چلتا مزار کی طرف پیدل نکل گیا۔

۔۔ جاؤ کوئی شاہ ذہن کو بلا کر لاؤ۔۔۔ بڑی سرکار ایک بار پھر دھاڑے۔

زین دھڑکتے دل کے ساتھ باپ کے سامنے آیا۔

۔۔ ہم ایمان کا نکاح مقررہ تاریخ پر تم سے کروانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بولو تمہیں بھی بھائی کی طرح کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔۔۔ بڑے سرکار کے رویے میں غصہ واضح تھا

نن نہیں بابا سرکار۔۔۔زین بس اتنا ہی بول پایا۔شاید کوئی قبولیت کا وقت تھا جب ذین نے ایمان کا نکاح ٹوٹنے کی دعا کی تھی۔

پیر بشارت تمہیں تو اعتراض نہیں ہے کوئی۔

نہیں پیر سائیں وہ آپ ہی کی بیٹی ہے آپ جو مرضی فیصلہ کریں۔۔۔۔بشارت صاحب نے قصہ تمام کیا۔

مہر بار بار شاہ میر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
آخر ایسا کیا ہوا کہ وہ بڑے سرکار کے مقابلے پہ آ گئے۔کیا وہ کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔۔۔اس بات پر مہر کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔

For more visit (exponovels.com)

اس نے ایمان کو ڈھونڈا مگر بی جی نے بتایا وہ جا چکی ہے۔۔۔ گھر پہنچی تو دیکھا کہ ایمان جائے نماز پر بیٹھی سسک رہی ہے۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنی بہن کے لیے ایک بار ضرور اس انسان کا گریبان پکڑے گی۔
مگر وہ بے وقوف نہیں جانتی تھی کہ اس کی بہن کے یہ آنسو تشکر کے آنسو تھے۔ جو دعا کی قبولیت کے لیے بہائے جاتے ہیں۔۔۔۔

شاہ میر ساری رات حجرے میں گزار کر فجر کی جماعت اور بچوں کو قرآن پڑھانے کے بعد محل کی چھت پر پہنچا معمول کے مطابق کبوتروں کو دانہ ڈال رہا تھا۔۔ قدم بے اختیار بشارت حویلی کی چھت کی طرف گئے۔

مہر بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں قید کیے ہاتھ میں برش پکڑے۔ ابھرتے سورج کا سکیچ بنانے میں مصروف تھی۔
شاہ میر کو اس دن والی مہر یاد آئی۔ اس پر کیچڑ گرا تھا اور اس نے سارا غصہ انجانے انسان پر نکال دیا تھا۔ مخالف صنف کو نظر بھر کے دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ وہ پھر کر واپس مڑ گیا۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔۔۔۔۔۔

مجھے یقین نہیں آتا کہ دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں۔ دعائیں واقع ہی پہاڑ ہلانے کی ہمت رکھتی ہیں۔ تہجد میں گرائے گئے آنسو کبھی بھی بے مول نہیں گرتے۔ میری جان قربان اس رب پر جس نے یعقوب کو یوسف سے ملایا تھا۔ جس نے آج ایمان کو زین سے ملا دیا۔ میری دعائیں متقیوں جیسی نہیں تھی۔ پھر بھی قبول ہوئی کیوں کہ میں امت محمدیہ ہوں۔ میں نے محمد کے واسطے سے اپنے لئے دعا کی تھی۔ اللہ کے پیارے رسول کا صدقہ مانگا تھا۔ اور مجھے مل گیا۔ اے اللہ میں تیری کسی نعمت کو جھٹلا نہیں سکتی۔ میری سانسیں تک تیرے کن کی محتاج ہیں۔ الہی میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں تیری رحمت کا شکر ادا کروں۔ یا اللہ میں خوش ہوں۔ مگر میں نے انجانے میں ایک انسان کو تکلیف دے دی۔ میں تمام عمر اس کی محتاج رہوں گی۔ اسے ساری عمر تنہا کاٹنے کی سزا ملی ہے۔ یا الہی نواسہ رسول کے صدقے کچھ ایسا کر دے کہ وہ شخص تمام عمر تنہا نہ رہے اس کی زندگی خوشیوں سے بھر جائے۔ وہ میرا ساتھ نا پا کر خوش نصیب ٹھہرے۔۔۔۔

ایمان جائے نماز پر بیٹھی اپنے رب سے ڈھیروں ڈھیر باتوں میں مصروف تھی۔ جب اس کے فون پر رنگ ہوئی۔ اس نے دعا کے ہاتھ چہرے پر پھیرے۔ آنسو سے ہاتھوں کی ہتھیلیاں گیلی ہوگی۔ پھر جائے نماز تہہ کیا اور فون کی طرف بڑھی۔

السلام علیکم۔۔۔

وعلیکم السلام۔۔دھیرے سے جواب دیا گیا

۔مجھے پتا تھا کہ تم اس وقت جاگ رہی ہوگی۔۔
جی تہجد کے لیے اٹھ گئی تھی۔

ہمارے ساری دعائیں قبول ہوگئی ایمان۔۔۔ذین کے لہجے سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

جی۔۔۔مگر ہماری محبت نے کسی کا بہت نقصان کر دیا ہے۔تایا سائیں شاہ میر سایئں کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔وہ تاحیات تنہا رہ جائیں گے۔

بابا بھائی سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وقتی غصہ ہے وہ جب ہماری خوشیاں دیکھیں گے تو بھائی کو معاف کر دیں گے۔۔۔ بے وقوف لڑکی آج بھی پریشان ہے۔۔ زین نے دل میں سوچا

آج سے میں ان کے لیے بہت دعا کیا کروں گی۔مجھے یقین ہے کہ میری دعائیں اب بھی رد نہیں ہوگی۔۔

جی آپ کی دعاؤں پر تو اب ہمیں بھی یقین آگیا ہے۔ ناممکن کو ممکن کرنے کی طاقت رکھتی ہیں آپ کی دعائیں۔۔۔

ایمان نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا اور تشکر سے مسکرائی۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - -

مہر کتابوں میں خود کو غرق کیے بیٹھی تھی۔ ماں کی آواز پر چونک گی۔

یہ ایمان کے سوٹ کا ناپ ہے جاو اپنی تایا ئی سر کار کو دے کر آو۔ اور اپنی لسٹ بنا لو جو تمہیں بازار سے چاہیے۔ یہ شہر نہیں ہے جو منہ اٹھا کے جب دل کیا چل پڑے گے۔ ایک ہی بار جانا ہے بس۔۔۔ ایسے موقعوں پر مائیں اکثر نے نڈھال ہی نظر آتی ہیں۔ کبھی کوئی چیز ضرورت سے زیادہ لے لی پھر کبھی کمی رہ گئی۔

نا چاہتے ہوئے بھی زینے پھلانگ کر چھت کی رستے بخت محل پہنچی۔ شاہ میر کو دیکھ کر اس کو اپنی بہن کے آنسو یاد آئے۔

وہ ہاتھ میں تسبیح پکڑے پورے حساب و کتاب سے عبادت کرنے میں مصروف تھا اس کو دیکھ کر چونکا۔

کسی کی زندگی جہنم بنا کر اپنے لئے جنت مانگنا کہاں کا انصاف ہے۔۔ مہر کے الفاظ پر وہ اسے نہ سمجھی اسے دیکھنے لگا۔

۔۔ آپ کی وجہ سے میری بہن بہت روئی ہے اس کے آنسو آپ کو کبھی خوش نہیں رہنے دیں گے۔ آپ نے کسی اور کے لیے میری بہن کو چھوڑ دیا۔ وہ بھی آپ کو کسی اور کے

لئے چھوڑ دے گی۔ آپ نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ کتنے سالوں سے میری بہن آپ کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ مگر آپ کسی اور کے عشق میں اندھے ہو گئے۔ اب آپ کو کہا کچھ اور نظر آئے گا۔

۔۔ اپنی زبان سنبھال کر بات کرو لڑکی۔ ایک بار اپنی بہن سے پوچھ لو وہ کس کے لئے روتی ہے۔۔۔ شاہ میراب اس لڑکی کی بد تمیزی پر خود کو قابو نہیں رکھ پا رہا تھا۔ پاس پڑے ٹیبل کو زور سے ٹھوکر مار کر وہاں سے چلا گیا۔

مہر سوچوں کو بنتے ادھیڑتے گھر واپس آئی۔ ایمان ظہر کی نماز پڑھ کر جائے نماز پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھی۔

مان آپی۔ آپ سے ایک بات پوچھوں آپ خوش ہیں نہ ذین بھائی کے لیے۔۔

ہاں خوش ہوں کیونکہ میرے ماں باپ خوش ہیں۔۔

اور آپ کی خوشی۔۔۔ مہر پھر سے بولی

سب کی خوشی میں میری خوشی ہے۔۔

آپ کو دکھ نہیں ہوا کہ شاہ میر بھائی نے اتنے عرصے بعد منگنی توڑ دی۔۔۔

وہ منگنی تب ہوئی تھی جب مجھے منگنی لفظ کے معنی کا بھی نہیں پتا تھا مہر۔ جنہوں نے کی تھی انہوں نے ہی توڑ دی۔ افسوس کیسا۔۔۔ ایمان کا رویہ معمول سے ہٹ کر محسوس ہوا

آپی کیا آپ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔۔
اس بات پر ایمان سکتے میں آ گئی

کیا آپ کسی اور کے لئے روتی تھی۔۔۔ایمان شاید جھوٹ بول دیتی مگر ہاتھ میں پکڑی تسبیح اور جائے نماز اسے سچ بولنے پر مجبور کر رہے تھے

میں اور زین۔۔۔وہ رک کے بولی

ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ مگر ہم اپنے بڑوں کے خلاف جاننے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ شاہ میر سرکار نہیں ہمیں بات کرتے ہوئے سن لیا تھا۔ انہوں نے خود ہی رشتے سے منع کر دیا۔

اتنی آسانی سے آپی آپ نے سارا قصہ سنا دیا۔ کاش آپ اس کی آنکھوں میں وہ قرب دیکھ پاتی جو میں نے دیکھا۔ کاش آپ وہاں موجود ہوتی تو آپ اپنے کیے پر پچھتاتی۔۔۔

مہر مزید کچھ سننا نہیں چاہتی تھی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دل کی بے چینی مزید بڑھ گئی تھی۔ رو کے دل ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

وہ اتنے دنوں سے شاہ میر کو ڈھونڈتی پھرتی رہی تھی۔ معافی مانگ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے تھے مگر وہ نہیں آیا تھا۔ شاید آج بھائی کے نکاح پر بھی نہیں آنے والا تھا۔

بہت سادگی سے نکاح پڑھایا گیا۔
ایمان سفید کلر کے شرارے اور خوبصورت بھاری ڈوپٹے کے ساتھ بہت حسین لگ رہی تھی۔ زین نے بھی سفید شلوار قمیض کے ساتھ میرون واسکٹ پہنا تھا۔ سر پر روایتی کلا موجود تھا۔ سب بہت خوش تھے اگر دو لوگ اس تقریب میں موجود نہیں تھے۔
شاہ میر اپنے حجرے سے باہر نہی آیا تھا۔ اور مہر اپنے احساس شرمندگی سے۔

۔۔ ماما دو دن میں میرا ٹیسٹ ہے مجھے تیاری کرنی ہے۔ فنکشن ویسے بھی ختم ہوگیا ہے میں گھر جا رہی ہوں۔۔۔ مہر نے ماں سے کہا۔

وہ جیسے ہی محل کی چھت پر پہنچی۔ اندھیرے میں کھڑے ایک مجسمے کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔

شاہ میر فوراًاس کے پاس آیا

۔۔کیا ہوا آپ ٹھیک ہو نا بچے۔ اس کے مہربان الفاظ پر مہر کو خود پر مزید غصہ آیا

۔مجھے معاف کر دیں سرکار۔ میں نہ سمجھی میں بہت کچھ بول گئ آپ کو۔ میں اس دن سے آپ کو معافی کے لئے ڈھونڈ رہی ہو آج بھی بہت ڈھونڈا آپ کو شکر ہے آپ نے یہاں مل گئے۔۔۔اس کی آنکھوں میں نمی واضح تھی

۔۔نہیں بچے جو آپ نے کیا وہ آپ کی اپنی بہن کے لئے محبت تھی۔مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔۔۔۔شاہ میر نے دیکھا مہر کی آنکھیں نم تھیں۔

۔۔آپ بہت اچھے ہیں سرکار۔

یہ لفظ بہت بڑا چنا ہے آپ نے میرے لئے۔ میں ابھی یہ ڈیزرو نہیں کرتا۔۔۔وہ کچھ ' افسردہ سا تھا۔

آپ کا رتبہ میری نظر میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

سڑک کنارے کیچڑ والا قصہ بھول گئی ہو کیا۔۔وہ کھل کے مسکرائی۔

وہ تو تب ہی بھول گئی تھی۔ جب کہ بہت دن ان آنکھوں نے اس کو ستائے رکھا تھا۔

وہ اپنے ناخنوں پہ لگے پینٹ کو کھرچ رہی تھی۔۔

For more visit (exponovels.com)

۔ بچے ہمیں وہ کام نہیں کرنا چاہیے.جس کی وجہ سے ہم سے وضو کی توفیق تک چھن جائے ۔ جب نیکیاں ہمارے پاس نہیں آتیں تو بدی ہم پہ گھات لگا لیتی ہے ۔ ۔ وہ نصیحت کر کے رکھا نہیں تھا ۔

نیل پینٹ سے اس کو بہت پیار تھا اس کو اپنے لمبے ناخن اور ہاتھ بہت پسند تھے ۔ میک کی شوقین نہیں تھی مگر ہاتھوں پر مہندی اور ناخنوں پر نیل پالش سے اس کو عشق تھا ۔ جب بھی نماز نہیں پڑھنی ہوتی تھی نیل پولش لازمی لگاتی تھی ۔ اور پھر اتار دیتی ۔

۔ ۔ آئندہ نہیں لگاؤں گی ۔ ۔ مقابل کو پتہ نہیں یقین آیا تھا یا نہیں مگر مہر کو خود کے الفاظ اپنے نہیں لگے تھے ۔ وہ اس کو سیڑھیوں سے نیچے اترتے کسی کمرے میں گم ہونے تک دیکھتی رہی ۔

مہر جیسے ہی اپنے کمرے میں پہنچی ۔ اس نے ریموور سے نیل پینٹ اتارا ۔ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی بے تحاشا نیل پینٹ کی شیشیوں کو ٹیبل کے آخری دراز میں چھپا دیا ۔

وہ اتنے دنوں سے شاہ میر کو ڈھونڈتی پھرتی رہی تھی۔ معافی مانگ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی مگر وہ نہیں آیا تھا۔ شاید آج بھائی کے نکاح پر بھی نہیں آنے والا تھا۔

بہت سادگی سے نکاح پڑھایا گیا۔
ایمان سفید کلر کے شرارے اور خوبصورت بھاری سرخ ڈوپٹے میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ زین نے بھی سفید شلوار قمیض کے ساتھ میرون واسکٹ پہنی تھی۔ سر پر روایتی کلا موجود تھا۔ سب بہت خوش تھے مگر دو لوگ اس تقریب میں موجود نہیں تھے۔
شاہ میر اپنے حجرے سے باہر نہی آیا تھا۔ اور مہر اپنے احساس شرمندگی سے۔

۔۔ ماما دو دن میں میرا ٹیسٹ ہے مجھے تیاری کرنی ہے۔ فنکشن ویسے بھی ختم ہوگیا ہے میں گھر جا رہی ہوں۔۔۔ مہر نے ماں سے کہا۔

بیٹا۔ کچھ دیر اور رک جاتی۔۔۔ بڑی سرکار سکینہ بیبی نی کہا۔

نہیں۔ تائی سرکار صبح ناشتہ لے کر بھی تو آنا ہے نا۔۔۔ مہر نے بہانا بنایا

ٹھیک ہے بچے۔ کامیابی پاؤ۔

۔۔۔ سب اپنی ہی دنیا میں گم ہیں یہاں کسی کو پروا نہیں ایک جیتا جاگتا انسان اس گھر کا فرد دکھا تک نہئں۔ تائی سرکار کا تو بیٹا ہے یہ پھر بھی سکون میں ہیں۔۔۔ مہر اپنی ہی سوچوں میں گم تھی

وہ جیسے ہی محل کی چھت پر پہنچی۔ اندھیرے میں کھڑے ایک مجسمے کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔

۔ شاہ میر شاید غم غلط کرنی تنہائی میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ فوراً چیخ سن کے اس کے پاس آیا

۔۔ کیا ہوا آپ ٹھیک ہونا بچے۔ اس کے مہربان الفاظ پر مہر کو خود پر مزید غصہ آیا

۔مجھے معاف کردیں ۔ میں نہ سمجھی میں بہت کچھ بول گئ آپ کو۔ میں اس دن سے آپ کو معافی کے لیئے ڈھونڈ رہی ہو آج بھی بہت ڈھونڈا آپ کو شکر ہے آپ یہاں مل گئے۔۔۔اس کی آنکھوں میں نمی واضح تھی

۔۔ نہیں بچے جو آپ نے کیا وہ آپ کی اپنی بہن کے لیئے محبت تھی۔مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔۔۔۔شاہ میر نے دیکھا مہر کی آنکھیں نم تھیں۔

۔۔آپ بہت اچھے ہیں میر۔
میر کہنے پہ شاہ میر نے اسے چونک کے دیکھا۔

بچے کہتے ہیں تو اس لیے۔۔۔۔۔وہ شرمندہ ہوئ۔
کیا میں آپ کو میر کہہ لیا کروں؟اس کی چپ پہ وہ پھر بولی

۔کہہ لو مگر سڑک کنارے کیچڑ والا قصہ بھول گئ ہو کیا۔۔وہ کھل کے مسکرائی۔ فوراً بولی

For more visit (exponovels.com)

۔ ۔ وہ تو تب ہی بھول گئی تھی ۔ ۔ ۔ جب کہ بہت دن اس کی آنکھوں نے اس کو ستائے رکھا تھا۔

کچھ وقفے کے لیے دونوں چپ ہوے۔

وہ اپنے ناخنوں پہ لگے پینٹ کو کھرچ رہی تھی ۔ ۔ اس کو دیکھتے ہوے اس نے چپ توڑی

۔ بچے ہمیں وہ کام نہیں کرنا چاہیے جس کی وجہ سے ہم سے وضو کی توفیق تک چھن جائے۔ وضو ہر نیک عمل کی ابتدا ہے۔ جب ہم ابتدا پہ ہی اٹک جائیں گے تو نیک عمل ہمارے دروازے پک ہی رہ جائیں گے ۔ ۔ وہ نصیحت کر کے رکھا نہیں تھا۔

نیل پینٹ سے اس کو بہت پیار تھا اس کو اپنے لمبے ناخن اور گورے چٹے ہاتھ بہت پسند تھے ۔ میکپ کی شوقین نہیں تھی مگر ہاتھوں پر مہندی اور ناخنوں پر نیل پالش سے اس کو عشق تھا۔ جب بھی نماز نہیں پڑھنی ہوتی تھی نیل پولش لازمی لگاتی تھی ۔ اور پھر اتار دیتی۔

۔۔آئندہ نہیں لگاؤں گی۔۔مقابل کو پتہ نہیں یقین آیا تھا یا نہیں مگر مہر کو خود کے الفاظ اپنے نہیں لگے تھے۔ وہ اس کو سیڑھیوں سے نیچے اترتے کسی کمرے میں گم ہونے تک اس کو دیکھتی رہی۔

مہر جیسے ہی اپنے کمرے میں پہنچی۔ اس نے ریموور سے نیل پینٹ اتارا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی بے تحاشا نیل پینٹ کی شیشیوں کو ٹیبل کے آخری دراز میں چھپا دیا۔

اگلی صبح رسم کے مطابق وہ ایمان کا ناشتہ لے کر وقت محل پہنچے۔۔۔ایمان بہت خوش نظر آرہے تھے اتنے سکون میں تو وہ پہلے کبھی نظر نہ آئی۔

۔۔میرون کلر کی گوٹا کناری والی گھیر دار فراک پہنے سر پہ خوبصورتی سے دو پٹے کو اٹکا رکھا تھا۔ لائٹ سا میک اپ اور نفیس سے جولری اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے۔

۔۔ماشااللہ اللہ نظر بد سے بچائے ۔ بہت عرصہ بعد اس خاندان نے خوشی دیکھی ہے ۔ اللہ اس خوشی کو سلامت رکھے ۔۔ بڑے سرکار اس جوڑی کے صدقے واری ہو رہی تھی

۔۔مہر بہن کی خوشی میں خوش تھی۔ مگر شاہ میر کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر وہ آج بھی غصہ تھی۔ اس نے بے دلی سے سب کے ساتھ بیٹھ کے ناشتہ کیا۔

۔کیا میر نے ناشتہ کیا ہو گا؟۔۔۔اس اچانک آنے والے خیال نے اسے مضطرب کر دیا

تو کب آ رہا ہے آپ کا رزلٹ پھر بچے۔۔۔بڑے سرکار نے مہر کو مخاطب کیا

جی تایا ابا بس دو تین دن میں۔۔۔مہر نے کم گوئی سے کام لیا'

آگے کے کیا ارادے ہیں؟

ایم بی بی ایس کا سوچ رہی ہوں تایا ابا۔۔

مہر نے ڈرتے ڈرتے کہا کیونکہ بڑے سرکار کو لڑکیوں کا یونیورسٹی کے کھلے ماحول میں جانا پسند نہیں تھا۔ اس لیے بشارت سائیں نے ایمان کو بس بی اے تک کی تعلیم دلوائی تھی۔ مگران کی خواہش تھی کہ مہر ڈاکٹر بنے۔

مہر کے آگے پڑھنے کی بات پر ہال میں موجود تمام لوگوں نے بڑے سرکار کو دیکھا۔

بہت خوب۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے خاندان کا نام روشن کروگی۔۔ سب نے ' بے یقینی سے بڑے سرکار کو دیکھا۔ شاید وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ میں بھی بدلاو آنا شروع ہو گیا تھا

کاش آپ میرے کو بھی اس طرح کھلے دل سے قبول کریں۔ کاش آپ جان سکیں انہوں ' نے اپنے بھائی کی زندگی کو روشن کرنے کے لیے آپ نے زندگی میں اندھیرے بھر لیے ہیں۔۔۔ مہر نئے قرب سے آنکھیں بند کیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔

شاہ میر نے اپنا کمرہ بالائی منزل پر منتقل کر لیا تھا ویسے بھی وہ زیادہ تر وقت مزار کے حجرے یا محل کی چھت پر ہی گزارتا تھا تنہائی پسند تو تھا مگر اب سب نے اس کو حقیقتاً تنہا کر دیا تھا۔

وہ اپنے صبح کے اذکار ختم کر کے جیسے ہی کمرے سے باہر نکلا حویلی میں رونق سی لگی ہوئی تھی۔ اس نے پہلے ذینے پر پاؤں ادھر اہی تھا کہ بڑے سرکار کی نظر اس پر پڑی۔
بڑے سرکار نے ایک حقارت والی نگاہ اس پہ ڈال کے رخ پھیر لیا۔۔۔

۔۔جن نگاہوں میں میرے لئے ہمیشہ عقیدت تھی آج ان میں میرے لئے نفرت ہے۔ بابا سائیں آپ کی نفرت مجھے مار دے گی۔ میں نے آج تک اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ خود سے نہیں کیا میں ایم بی بی ایس میں جانا چاہتا تھا مگر میں مدرسہ گیا آپ کی خوشی کے لیے۔ اپنا کریئر میں نے آپ کی خوشی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اور آج آپ ہی کی نگاہوں نے مجھ سے رخ دے لیا ہے۔ کیا میں اسی قابل تھا۔
اس محل کی بے جا بے جان در و دیواروں نے پہلی دفعہ اسے آج روتے دیکھا

کھانے کے بعد سب ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔

مہر زینب اور حسن کے ساتھ چھت کی طرف بڑھی کیونکہ جانتی ہے وہ ہستی اسے وہی ملے گی۔

۔۔ذینی آپ کے میر چاچو کہاں ہیں نظریں نہیں آئے۔۔۔

چاچو کو تو بخار ہے آپ کو نہیں پتا ان کی تو رات میں آنکھیں بھی بہت ریڈ ہو رہی تھی۔ ان' کو بہت درد ہو رہا تھا۔ ذینی نے کہا

مہر آنی میں نے چاچو کا سر بھی دبایا تھا۔ حسن نے بھی حصہ لیا۔'

کاش میں ان کو اس تقریر سے نکال سکتی۔ اس نے قرب سے سوچا

۔۔چلو پھر آپ کے میرے چاچو کے پاس چلتے ہیں۔۔مہر نے محل کی چھت کی طرف قدم بڑھاے مگر وہ اس کو چھت پر نہیں ملا تھا۔

وہ بے دلی سے نیچے آئی۔ جیسے انگور کھٹے نکلنے پر لومڑی اس باغ سے چلی گئی تھی۔اس کہانی کو ہمیشہ ہنس کے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے مگر اُس وقت لومڑی پر کیا بیتی تھی یہ بات اب مہر بڑے اچھے سے جان گئی ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بڑی سرکار چاہتی تھی کے ایمان اور زین مزار پر سلام کر آیں۔ گاؤں میں جب بھی کوئی شادی ہوتی دولہا دلہن کو مزار حاضری کے لئے بھیجا جاتا تھا۔

۔۔شام چار بجے ہم سب مزار جائیں گے بی جان آپ تیاری کروادیں۔۔۔بڑی سرکار نے بھی جان سے کہا تاکہ مزار میں کوئی غیر مرد نہ رکے یہاں تک کہ مزار میں موجود پیشہ ور فقیروں کو بھی ایک طرف نکال دیا جاتا۔

ایمان، زین، بڑی سرکار، بی جان، زلیخہ بی بی اور مہر جو مجبور ہو کر ساتھ آئی تھی مزار کے ' احاطے میں موجود تھے۔۔

مہر نے آٹھ سال بعد ان سفید پتھروں سے آراستہ صحن پر پاؤں رکھا تھا۔ صحن میں قدم پڑتے ہی اس کا دل بری طرح تھرتھرایا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

اجداد کی قبور پر فاتحہ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہوئی تھی۔

۔۔مجھے نہیں پتا آپ کتنے متقی پرہیزگار لوگ تھے۔ مگر آپ کے بعد آنے والوں کے دل پتھر ہو چکے ہیں۔ کچھ لوگوں نے سنگ باری کرنے کے لئے اپنے دلوں کو پتھر کیا۔۔ اور کسی نے سنگ ماہ پے چلنے کے لئے خود کو پتھر کیا۔۔ میں پیروں فقیروں کو نہیں مانتی مگر میں نے سنا ہے آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ آپ شامیر کے حق میں دعا کریں جن اندھیروں میں وہ ابھی بیٹھا ہے وہ دھیرے اس کی قسمت نہ بنے۔ اس کی روشن تقدیر کے لیے میں آپ سے دعا کی سفارش کرنے آئی ہوں۔ بڑے دادا جان کہوں یا پیر بخت عالم شاہ کہوں پتہ نہیں آپ اپنی آل اولاد کے سکون کے لیے دعا کریں ان کو اس کی بہت

ضرورت ہے۔۔۔ اس نے تمام گفت وشنید کے بعد کہ یقین سے اپنے سامنے مٹی کے ڈھیر پر بہت سی رنگ برنگی چادروں اور بے تحاشہ پھولوں کی طرف دیکھا۔ رخ پر ہاتھ پھیر لیے۔

۔ ان کو بڑے سرکار کے حجرے میں لایا گیا
حجرے میں صرف ایک ممبر نما کرسی پڑی تھی۔ مہر نے کرسی کو چھوا

تو ہی ہے وہ گوہر نایاب جس نے میر سے قربانی مانگی ہے۔ یہ بے جان شے ایک جاندار کو نگلنے تک کی ھمت رکھتی ہے۔۔۔ مہر کے ہاتھ کی گرفت کرسی کے بے جان بازوں پر سخت ہوئی۔۔۔ اس کے کانوں میں زین کی آواز ٹکرائی وہ ایمان سے سرگوشی میں کہہ رہا تھا

۔۔ کیا مانگا تم نے تمہاری سبھی مرادیں تو مل گئی ہیں کیا اب کچھ اور مانگنا شروع کر دیا ہے۔ ایمان شرمیلی سی ہنسی ہنس رہی تھی

مہر میں ضبط سے ان دونوں کو دیکھا۔۔

انسان اپنی خواہشات کی تاک میں کتنی آسانی سے دوسروں کی خوشیوں کے گلے گھونٹ دیتا ہے۔ مہر کو یہ بات آج سمجھ آگئی تھی۔
اسے اپنی بہن پر شدید غصہ آیا۔

۔۔ایمان کاش تمہاری دعائیں قبول نہ ہوتیں تم نے ایک رشتے کی خاطر میر کو اس کے سب رشتوں سے توڑ دیا ہے۔۔
اس مزار پر سب اپنے لئے کوئی نہ کوئی منت سماجت لاتے ہیں مگر وہاں لڑکی آئی تھی جس نے اپنے لئے کچھ نہیں مانگا تھا۔۔۔۔۔

مزار کے بعد ذین ان کو ڈیرے کی طرف لے گیا جو مزار کے عقب میں ہی ہے۔
ڈیرے میں ایک بڑے سے برآمدے کے اندر بے شمار بڑے چھوٹے پنجرے بنے ہوئے تھے۔ کسی پنجرے میں آسٹریلین طوطے تو کسی میں کبوتر۔ چکور والا پنجرا کھلا ہوا تھا ان کو اپنی مرضی سے آنے جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ سفید سرخ آنکھوں والے

خرگوشوں کے لیے بھی یہی حکم تھا۔ پاس ہی سامنے تالاب میں بے شمار بطخیں غوطہ زن ہورہی تھی۔ ان سب کے آخر میں قطار در قطار کتوں کے پنجرے شروع ہورہے تھے۔ مہر کی نظر سائبیرن ہسکی بریڈ کے ڈوگ پر پڑی۔ وہ ایک Rottwieler مہر کی نظر ایک کونے میں سہما ہوا بیٹھا تھا۔ مہر کو اس کی قید پر ترس آیا وہ جیسے ہی پنجرے کے پاس گئی۔ کتا ایک دم سے بے قابو ہو کے بھونکنے لگا۔ وہ ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹی NojackieNocalmdown عقب سے شاہ میر کی آواز سنائی دی۔۔۔

مہر نے فورا مڑ کے آواز کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ چلتا ہوا کتے کے پاس گیا کتا اس کی آواز سن کے اب شانت ہو چکا تھا۔

شاہ میر نے جھک کے اپنی والدہ کو سلام کیا۔ بڑی سرکار نے اس کے ماتھے کو چوما۔ بڑی سرکار کے اس عمل نے مہر کے دل کو ٹھنڈک دی۔ اس کا ہاتھ اپنے دل تک گیا۔ تھرتھراتا دل بھی اب سکون میں تھا۔

۔۔ چلو کم از کم ان کو تو بیٹے کی تنہائی کا احساس ہے۔۔ اس نے بڑی سرکار کو دیکھتے ہوئے سوچا

۔۔ بھائی کے اور بابا سائیں کے ذوق بالکل ایک جیسے ہیں۔ کتے بھی ان کی آوازوں کو پہچانتے ہیں۔۔۔ زین پتہ نہیں اس کی تعریف کر رہا تھا یا اسے اپنے بابا کے ساتھ تشبیہ دے رہا تھا۔ مگر باپ کے ذکر پر شاہ میر کے چہرے پر دکھ کے آثار ضرور آئے تھے۔ جو مہر نے پوری طرح اپنے اندر اتارے تھے۔۔۔۔

مہر اسے آج بہت دنوں بعد دیکھ رہی تھی۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی آنکھوں کے گرد ہلکے واضح تھے۔ سفید کاٹن کے سوٹ پر بے شمار سلوٹیں موجود تھیں۔ کندھوں پر رکھی کریمی سی شال اس کی بے توجہی کا شکار لگ رہی تھی۔

ڈیرے کے ایک طرف باغات تھے۔ کینو مالٹے کے باغ پھل سے لدے ہوئے تھے۔ مگر آم کے باغات بے موسمی کے باعث سوغات سے محروم تھے۔ ذرا فاصلے پر کچھ عورتیں اپنے دوپٹوں کو سروں سے جھولی کی طرح کمر پر باندھ کر کپاس چننے میں مصروف

تھی۔ ان ہاتھوں میں کمال کی پھرتی تھی۔ انہیں عورتوں میں ایک کم عمر سی لڑکی ماتھے پر پٹی باندھی آہستہ آہستہ روئی پودے سے الگ کر رہی تھی۔

یہ کوثر کی بیٹی فاطمہ ہے نہ۔۔۔ بڑی سرکار نے بی جی سے پوچھا

۔۔ جی جی سرکار یہ وہی بد قسمت ہے۔ رنگ روپ کی تو شہزادی ہے مگر قسمت نے اسے بے قدرے سے باندھ دیا۔۔۔ بی جی اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے دکھی ہوئی تھی۔

کل ہی مجھے کوثر بتا رہی تھی کیسے اس نے مجبور ہو کر بیٹی کی شادی کی۔ اس کا وہ بدبخت شوہر کیسے اس پر وظلم کرتا ہے۔ وہ جو کماتا ہے وہ تو جوے پہ اڑا دیتا ہے۔ اور یہ بیچاری لوگوں کے کھیتوں میں کام کر کے اپنا گزر بسر کرتی ہے۔۔ مہر کو ترس آیا تھا اس چھوٹی سی لڑکی پہ۔

ہمارے خاندان کے علاوہ پورا کا پورا گاؤں ہی ظالم ہے۔ بھلا کیا ضرورت تھی اتنی سی بچی کو بیہانے کی۔۔۔۔ مہر خود سے بڑبڑای

شام اختتام کی طرف تھی مسافر اپنی گاڑیوں کی طرف چل دیے۔ شاہ میران کے ساتھ نہیں آیا تھا وہ الگ سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ اذانِ مغرب کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ اسے مسجد جا کے اذان کے بعد جماعت بھی کروانی تھی۔

بڑی سرکار زینب اور حسن کی وجہ سے کچھ پریشان تھیں۔ ان کے امتحانات اچھے نہ ہوئے تھے۔ سکول سے شکایتی کال بھی موصول ہوئی تھی۔ محل سے باہر ہوں ٹیوشن پڑھنے کے لیئے بھی نہیں جاسکتے تھے نا۔ گھر میں تو کسی کے پاس فرصت نہ تھی ان دو یتیموں کے لیے۔ باپ تو مشکل سے ہی محل میں نظر آتا تھا۔ اس نے اپنا کاروبار بہت بڑھا لیا تھا۔۔

زلیخہ بی بی نے فوراً سے رائے دی۔۔

۔۔مہر سارا دن فارغ ہوتی ہے وہ پڑھا دیا کرے گی بچوں کو شام میں۔آپ فکر نہ کریں۔

بڑی سرکار اس بات پہ کافی خوش ہوئ۔میری شہر بانو بھی آج زندہ ہوتی تو مہر کی عمر کی'
ہوتی اس کو بھی پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔۔
آپا کیسی بات کر دی آپ نے میری بیٹیاں ابھی تو آپ کی بیٹیاں ہیں۔۔زلیخا بی بی نے
بڑے سرکار کو تسلی دی

مہر اوران سے کھانا کھا کر حویلی کی چھت پہ آئ۔جانتی تھی کہ شاہ میر کو اندھیرے میں بیٹھنا
پسند ہے۔

وہ جیسے ہی چھت پہ آئیں اسے شاہ میر تنہائی میں غرق نظر آیا۔

وہ حویلی اور محل کی چھوٹی سی منسلک دیوار پر اپنے دونوں بازو رکھے کھڑی ہوگی۔

شاہ میر نے مڑ کے دائیں دیکھا۔۔

وہ اٹھ کے جانے ہی والا تھا کہ مہر کی آواز نے اسے روکا۔

آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔۔

جی ٹھیک ہوں میں بچے۔۔۔کیوں

وہ بچے بتا رہے تھے کہ آپ بیمار ہیں۔

نہیں میں ٹھیک ہوں۔۔۔اس کا لہجہ اپنائیت سے عاری تھا

مہر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب۔مزید کیا بات کرے پھر اسے اچانک خیال آیا

۔۔آپ کو کتے پسند ہیں۔ میری ماں تو کہتی ہیں کتے پالید ہوتے ہیں۔۔اس نے پل کے لیے رک کے شاہ میر کو دیکھا وہ اپنے پیروں میں کچھ تلاشنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ پھر بولی۔

۔۔آپ کو پتہ ہے میں نے کتنا رو رو کے امی کو منایا تھا چارلی کے لیے۔ حضرت ابو ہریرہ کا حوالہ دیا پھر جا کر مانی۔ احمد ایک بار جرمن شیفیرڈ پپی لے آیا تھا۔ امی نے اس کے ساتھ ہی احمد کو بھی گھر سے نکال دیا تھا۔
مہر کو لگا کہ وہ اس بات پر ہنسے گا مگر وہ ہنوز سنجیدہ رہا۔ وہ پھر بولی

آپ پیر ہو کے پلید چیزوں سے پیار کرتے ہیں۔۔اس بات پر شاہ میر نے اسے گھور کے دیکھا

۔۔کتوں میں ہم انسانوں سے زیادہ وفاداری ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی طرح حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کتوں کی دس خصلتیں بیان کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کتے بھی پیار کے لائق ہیں۔ جیسے آپ رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا کہ :

وہ صالحین کی طرح اکثر بھوکا رہتا ہے۔ اہل توکل کی طرح اس کے پاس کوئی خاص مقام" نہیں ہوتا۔ محبین کی طرح رات کو کم سوتا ہے۔ صادق مرید کی طرح اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا چاہے ممالک اس پر ظلم ہی کرے۔ متواضعین کی طرح تھوڑی سی جگہ پا کر ہی خوش ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ پر اگر کوئی اور قابض ہو جائیں تو راضین کی طرح جگہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ کوی مارے تو چلا جاتا ہے مگر ایک چھوٹے سے روٹی کے ٹکڑے پر واپس پلٹ آتا ہے یہ صفت خاشعین کی ہے۔ پاس پڑے کھانے کو مساکین کی طرح دیکھتا رہتا ہے۔ ایک بار جگہ کو چھوڑ دے تو غمزدوں کی طرح واپس نہیں آتا"۔۔ آخری بات پر شاہ میر کے چہرے پر غم کی جھلک آئی۔

مہر میں نے پہلی بار اس کے منہ سے اتنی لمبی بات سنی تھی۔ وہ اندر اندر نے نحال ہوئی۔ وہ اب کتوں سے بھی عشق کرے گی یہ بات تو طے ہے۔

مہر وعدے کے مطابق زینب اور حسن کو پڑھانے کے لئے محل میں موجود تھی۔ شام کی دم توڑتی ہوئی دھوپ میں وہ بچوں کو لیے حویلی کے لون میں بیٹھی تھی۔ بی جان گاجر کا حلوا لے کر آئیں۔

۔۔ شکریہ بی جان بہت ٹیسٹی ہے۔ بی جان تاریخ پر خوش ہوئی

۔۔ شاہ میر سائیں کے لئے بناتی ہوں۔ وہ شوق سے کھاتے ہیں۔ تو کچھ دنوں سے سہی سے کھانا نہیں کھا رہے تو میں نے سوچا کہ آج میں ان کی پسند کا حلوا بنا دوں۔۔۔ بی جان نے ان بچوں کو اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ تما کی طرح فکر کیوں نہ کرتی

۔ مہر خوش ہوئی کے اس محل میں شاہ میر کا خیال رکھنے والا کوئی تو ہے۔ بی جان حلوا دے کر واپس چلی گئ۔

زینب تمہیں میرے چاچو زیادہ پسند ہے کہ زین۔۔ مہر نے پوچھا

زین چاچو تو میر فیورٹ ہیں ہم سے اتنا زیادہ والا کھیلتے ہیں۔ میر چاچو بھی اچھے ہیں مگر ان کے پاس وقت نہیں ہوتا نہ کھیلنے کے لیے۔۔۔۔ زینب منہ بنا کے چاچو کی شکایت لگا رہی تھی۔ (اور شکایت لگا بھی کس سے لگا رہی تھی)۔ مہران کو پڑھانے تو کچھ اور آئی تھی مگر خود کچھ اور پڑھ رہی تھی مضمون کا نام تھا پوراسرار شاہ میر۔

اس نے بچوں کو ہوم ورک کرواتے ہوئے بار بار داخلی دروازے کی طرف دیکھتی۔ شامیر عصر کے بعد مغرب تک محل میں ریسٹ کرنے آتا تھا۔
انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔

عزیز از قلب! تم اس مٹی کو رونق بخشوا اپنے قدموں سے۔ ان ہواؤں کو جنبش دو اپنی سانسوں سے۔ اس شان سے چلو کے نو بہار رقص کرے۔ خزاں کی سانسیں اکھڑ جائیں۔ لہریں آ بیوں کے لیے کناروں کا پیغام لاتی رہیں۔ کہ تمہارے دم سے دنیا مستیئ سرور میں محو رہے۔۔

میر چاچو حسن بھاگتا ہوا اپنے فیورٹ چاچو کے پاس پہنچا۔۔۔۔۔ چاچو کا چیمپ۔ وہ اسے بازو میں اٹھائے قدم قدم قریب کے قریب آ رہا تھا۔

۔۔ شکریہ آپ کا آپ ان بچوں کو وقت دے رہی ہیں۔ وہ حسن کو کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

۔۔ نہیں بچوں میں یہی تو کمال ہوتا ہے وہ اپنا وقت خود ہی لے لیتے ہیں۔ مہر نے جواب دیا

۔۔ کاش ان کا کمال ان محل والوں پر بھی چلتا۔۔ وہ بے دلی سے کہتا ہوا چلا گیا

کیا تمہارے چاچو ایسے ہی سڑیل رہتے ہیں کہ میرے آگے کوئی خاص ایکٹنگ شروع کر دیتے ہیں۔

۔۔آپی بری بات۔کسی کے پیچھے اس کی برائی نہیں کرتے اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں۔
حسن کے ٹوکنے پر وہ کھل کے مسکرادی۔

۔۔۔دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔silverspoonچاچو کا

آنکھوں کو بشارت مل گئی تھی۔ بصارت کی خواہش مکمل ہوگئی تھی۔۔۔۔

مہر۔ ایمان کی آواز پر اس نے مڑ کے دیکھا

۔۔تم آتے ہیں بچوں کے پاس بیٹھ گئی۔ اتنا نہیں ہوا کہ بہن سے مل لیتی۔۔۔۔ ایمان شکوہ کر رہی تھی۔

۔سوری آپی مجھے لگا آپ عصر پڑھ رہی ہوگی۔
او ہاں یار میں تو نماز پڑھنا بھول ہی گئی۔۔۔۔۔ایمان کہہ کر فوراواپس پلٹ گئی۔

مہر کو اپنے سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔
اس نے پچھلے تین سال سے اپنی بہن کو ایک بھی نماز نماز قضا کرتے نہیں دیکھا تھا۔۔ تو کیا وہ صرف رشوتیں بانٹ رہی تھی۔

۔۔ کیا لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے خدا کو بھی رشوت دینے پہ آجاتے ہیں۔ پھر خدا ایسے لوگوں کی دعائیں کیسے سن لیتا ہے۔ کیا یہ منافقت نہیں ہے۔ کیا خدا نہیں جانتا کہ یہ لوگ مطلب نکل جانے پر عبادت کرنا چھوڑ دیں گے۔۔ مگر وہ تو خدا دلوں کا بھی جانتا ہے پھر کیسے وہ ایسے منافق لوگوں کی سن لیتا ہے۔۔۔۔ مہر جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

بچوں کو پڑھا کر اپنے گھر جانے کے لیے وہ چھت پہ آئی۔ شاہ میر ہاتھ میں کوئی کتاب پکڑے چہل قدمی کر رہا تھا۔

مہر اس کو دیکھ کے رک گئی۔۔ خدا کی پہلیوں میں گم تھی۔ اسے لگا تھا کہ یہ انسان پہیلی سلجھانے میں اس کی مدد کرے گا۔

۔۔۔آپ بزی تو نہیں ہے مجھے کچھ پوچھنا ہے آپ سے۔

جی بچے پوچھو۔کیا ہوا خیریت ؟ وہ مہر کے بلانے پر ہمیشہ چونک پتا نہیں کیوں جاتا تھا۔

کیا اللہ منافق لوگوں کا ساتھ دیتا ہے۔۔۔

ضروری تو نہیں جسے آپ منافق سمجھ رہی ہو وہ سچ میں منافق ہی ہو۔ دلوں کا حال تو بس رب ہی جانتا ہے نا۔۔۔شاہ میر نے جواب دیا

منافق کی نشانی واضح ہو پھر بھی۔۔۔۔جیسے انسان مطلب نکلنے کے بعد اللہ کو یاد تک نہ کرے۔کیا وہ پھر بھی ایسے انسان کی دعائیں سنے گا۔۔۔شاہ میر اس کی بات پر مسکرایا۔

For more visit (exponovels.com)

پہلے بار مہر نے اس کی مسکراہٹ دیکھی۔ ایسے خوبصورت مسکراہٹ ایسے خوبصورت انسان پہ ہی سجا کرتی ہے۔ وہ اس مسکراہٹ پر دل و جان سے فدا ہوئی تھی۔

۔۔ ہم دن میں کتنے گناہ کرتے ہیں فرشتے وہ تمام گناہ جا کر خدا کو بتاتے ہوں گے۔ پھر بھی وہ ذات اتنی رحیم ہے کہ انھی فرشتوں کے ہاتھ ہمارا رزق بھیج دیتی ہے۔ آپ رابعہ بصری کو جانتی ہیں؟؟

تھوڑا بہت۔۔۔ وہ شرمندہ سی ہو کر بولی

۔۔ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ اپنے ماں باپ کی چوتھی اولاد تھیں۔ بچپن سے ہی گھر میں غربت و افلاس دیکھی تھی۔ ان کا دل نورِ ایمان کا گھوارہ تھا۔ ان کو آدھی قلندر مانا جاتا ہے۔
ایک بار ان کے پاس صرف ایک روٹی تھی اور اور گھر پر کچھ درویش مہمان آئے ہوئے تھے۔ آپ درویشوں کے ساتھ محو گفتگو تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ سوالی نے کہا کہ وہ

بہت دنوں سے بھوکا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے وہ ایک روٹی بھی اس کو دے دی۔
کنیز نے کہا بی بی اب ہم کیا کریں گے ہمارے پاس تو صرف ایک روٹی تھی۔
آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا فکر نہ کرو اللہ ہے نا۔ وہ دوبارہ اپنے مہمانوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ اکم عمر بچہ نیاز لے کر حاضر ہوا کہتا ہے کہ اس کی ماں نے روٹی بھیجی ہے۔ آپ نے دیکھا تو وہ روٹی ایک تھی۔
آپ نے اس بچے کو واپس بھیج دیا کہ یہ روٹی ان کے لئے نہیں ہے۔ تھوڑے ہی وقفے کے بعد ایک اور بچہ روٹی لے کر آیا۔ خادمہ نے بتایا کہ اس بار روٹی کی تعداد تین ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس بچے کو بھی واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ یہ روٹی بھی ان کے لیے نہیں ہے۔ ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ خادمہ نے دیکھا تو روٹیوں کی تعداد گیارہ تھی۔
آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مسرت سے فرمایا کہ یہ روٹیاں ہماری ہیں۔ جب سب درویش کھانا کھا چکے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو کیسے علم ہوا کہ وہ روٹیاں آپ کی نہیں تھی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ کا فرمان ہے دنیا میں ایک ایک کے بدلے دس اور آخرت میں ستر نیکیاں ہیں۔ میں تو اللہ سے بس اسی حساب وکتاب میں لگی ہوئی تھی۔ جب پہلی بار دو اور پھر پانچ روٹیاں آئیں تو میں سمجھ گئی کہ یہ حساب رضا کے الہی کے الٹ ہے مگر جب گیارہ روٹیاں آئیں تم مجھے خدائے واحد کی قدرت پر یقین ہوا۔ دس

روٹیاں میری اس نیکی کے نتیجے میں تھیں جو میں نے سوالی کو روٹی دے کر کی۔ اور میرے اللہ نے وہ روٹی بھی مجھے واپس کر دی۔ اس گیارہویں روٹی کے ذریعے۔۔۔

شاہ میر کچھ پل کے لیے رکا۔۔۔۔

اب دیکھئے ہم اس واقعے کو ایسے لیتے ہیں۔ آپ نے کہا لوگ مطلب نکل جانے پر خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ جب لوگ کسی ضرورت کے پیش نظر اپنے رب کو یاد کرتے ہیں کسی غلط کام میں ملوث نہیں ہوتے بلکہ رضائے الٰہی سے بھیک مانگتے ہیں۔ تو ان کو بھیک مل جاتی ہے۔ وہ نماز پڑھتے ہیں کچھ لوگ تو وظیفہ بھی کرتے ہیں۔ تو یہ سب نیکیاں ہوئی نہ پھر وہ رحیم و کریم رب کیوں نہ دعائیں قبول کرے۔ اور انسان تو ہے ہی مٹی کا ماوا۔۔۔
انسان کی خواہشات کو بس قبر ہیں مکمل کر سکتی ہے۔
وہ رب سے مانگتے ہیں ضرورت پوری ہو جاتی ہے پھر ضرورت آن پڑتی ہے وہ پھر سے مانگتے ہیں وہ پھر سے دیتا ہے۔۔ کیونکہ سخی دیا ہی کرتے ہیں اور سوالی مانگا ہی کرتے ہیں۔۔۔۔
سبحان اللہ وہ ذات واقعی ہی بہت رحیم و کریم ہے۔۔

مہر نے کبھی اللہ کو لے کر اتنا ڈیپلی نہیں سوچا تھا۔

- - - -

مہر نہیں تشکر سے آسمان کی طرف دیکھا۔

۔۔ یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے اپنی رحمت میں پیدا کیا۔مجھے مسلمان پیدا کیا۔

وہ گھر آتے ہی سکیچ بک اٹھا کر بیٹھ گئی۔
آج اس نے شاہ میر کو مسکراتے ہوئے جو دیکھ لیا تھا۔

- - - - - - - -

شاہ میر مغرب کی نماز باجماعت پڑھانے کے بعد دعا میں بیٹھا تھا۔۔۔چہرے پر تکلیف نمایاں تھی۔

یا اللہ تجھے تیری کبریائی کا واسطہ میرے اپنوں کے دل سے میری نفرت نکال دے۔ یا اللہ میں نے تیرا ہی راستہ چنا میں نے زیادتی نہیں کی میں نے دل نہیں توڑے۔ مگر میرے بابا سرکار کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ یا اللہ میں نے ساری عمر تجھ سے اپنے لیے کچھ

نہیں مانگا اپنے لیے مانگتا ہوں میرے بابا سرکار کے دل سے میری نفرت کو نکال دے ۔ میں اس آزمائش کے قابل نہیں ہوں مولا۔ اے دلوں کو سکون دینے والے رب میری دعائیں متقیوں جیسی تو نہیں ہو سکتی مگر امت محمدیہ کے ہاسطے میری دعا قبول فرما۔ اے اللہ مجھے سکون دے میرے دل سے بے چینی نکال کر اپنے ایمان کا نور بھر دے ۔ میرے ماں باپ کے دل میں میرے لیے محبت کی روشنی ڈال دے ۔ یا اللہ میں اس گناہ کی توبہ مانگتا ہوں جس گناہ کے عوض مجھ سے میرے ماں باپ کا دل پھر گیا۔ یا اللہ تو کہتا ہے ایک نوجوان توبہ کرے تو آس پاس کی ستر قبرستان سے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ یا اللہ ہمیں توبہ کرتا ہوں اپنی ہر اس عمل کی جو تیرے غضب کا باعث بنا۔ یا الہی راضی ہو جا۔ مجھ میں تاب نہیں کہ میں اپنے ماں باپ کی محبت کے ساتھ ساتھ قرب الہی سے بھی دور ہو جاؤں ۔ ۔ ۔ ایک اونچا لمبا نوجوان آج پھر رب کے روبرو ہوا تھا۔

اللہ تعالی کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا اس کی طاقت سے بڑھ کے ۔ ۔ ۔ القرآن"

For more visit (exponovels.com)

شاہ میر کو غیب سے آواز آئی۔۔۔اس نے رخ پھیر کے ادھر ادھر دیکھا شاید یہ آواز اس کے دل کی تھی۔۔ تو مطلب صاف تھا اللہ تعالی اس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر نہیں آزمائیں گے وہ اس پل صراط سے نکل جائے گا۔

اگلی صبح بشارت حویلی سے لے کر بخت محل تک کے لوگوں کے لئے بے شمار حیرت لے کر آئی تھی۔۔۔۔

۔۔مہراب بس کرو رونا۔کیا ہو گیا ہے؟ اتنی سی بات پہ بھلا کون روتا ہے چلو میرا بچہ اٹھو طبیعت خراب ہو جائے گی۔۔اس کی والدہ اس کی ابتر حالت دیکھ کر بہت پریشان تھیں۔

مہر کا ایف ایس سی پری میڈیکل کا نتیجہ آچکا تھا۔ ہر کتاب کیمسٹری فزکس بائیولوجی وغیرہ میں شاندار نمبر تھے مگر اردو اور اسلامیات میں نارمل سے نمبر تھے۔ یہ پہلی بار ہوا تھا۔کہ مہر کسی بک میں ٹاپ نہیں کر سکی تھی۔
احمد نے اس کا الگ جینا حرام کیا ہوا تھا۔

کا گانا لکھا دینا تھا۔ انہوں نے توBTS۔۔ تواردو کے کسی شعر کی تشریح میں بی ٹی ایس مہربانوشاہ سے ویسے ہی امپریس ہوجاتا تھا۔ کسی مضمون میں کسی ترکی یا چائنیز ڈرامے کی سٹوری لکھ آتی تھی۔۔۔ مہر اس کے الفاظ پر اور بھی غمگین ہوئ جاتی تھی۔ سب اس کو سمجھانے کے درپہ تھے مگر وہ ایم کیٹ نہیں دے سکتی تھی۔ رونا تو اس کے لیے حقیر سی شہ تھا۔ وہ تو مری جارہی تھی۔

شاہ میر عصر کے بعد جب گھر آیا تو حسبِ معمول بچے کھیل میں مصروف تھے۔

۔۔ آج پڑھ کیوں نہیں رہے۔ ؟

چاچو مہر آنی کی طبیعت خراب ہے وہ نہیں آئیں گی۔۔۔ حسن نے بتایا

۔۔ بھئ کیا ہوگیا آپ کی آنی کو۔۔۔ اس نے حسن کو پیار کرتے ہوئے پوچھا

For more visit (exponovels.com)

پتہ نہیں بی جی نے بتایا وہ نہیں آئیں گی۔۔ چلو پھر موجیں اڑاؤ۔

چاچو آپ بھی آؤ نہ ہمارے ساتھ کھیلنے۔۔۔ زینب نے کہا

ٹھیک ہے میں فریش ہو کر آتا ہوں۔۔

وہ حیران تھا کافی ایسا کیا ہوا کہ وہ نہیں آئی۔ چھوٹی موٹی تکلیفوں کو دل پر تو لینے والی نہیں لگتی۔ اس کو اپنی سوچ پر یقین نہیں آیا نخوست سے سر جھٹکا اور محل کے اندرونی حصے میں بڑھ گیا۔

راہداری سے گزرتے ہوئے اس کے کانوں میں ایمان کی آواز ٹکرائی

۔۔ میں تو خود حیران ہوں تائی سرکار ایسا ہو کیسے گیا۔۔ باقی بکس دیکھیں کتنے شاندار نمبر ہے بس اردو اور اسلامیات میں کم کیسے آ گیے۔۔۔ اس نے تو رات دن ایک کر کے پیپر دیے تھے اب رونا تو بنتا ہے نہ اس کا۔۔

مگر بیٹا رو رو کے طبیعت ہی خراب نہ کر دے بالشت بھر کی تو نظر آتی ہے۔۔۔ تائی سرکار کے ذہن میں سُکی پتلی سی مہر کا خاکہ ابھرا۔

For more visit (exponovels.com)

شاہ میر بات سن کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایمان کے سامنے زیادہ نہیں آتا تھا ایمان کی نظروں میں شرمندگی دیکھنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔۔وہ کتنی بار اسے معافی مانگ چکی تھی مگر اس میں کسی کی غلطی نہیں تھی۔ محبت پوچھ کے بھلا تھوڑے ہی کی جاتی ہے۔۔۔

وہ محل کی چھت پر آیا تو اسے سسکیوں کی آواز آئی۔ مہر چھوٹی سی دیوار کے ساتھ بیٹھی سسک رہی تھی۔

رونا مسئلہ کا حل نہیں ہوتا۔۔"

مہر نے سر اٹھا کر شاہ میر کو دیکھا۔

آپ دوبارہ امتحان دے سکتی ہو۔ جن بکس میں کم مارکس ہیں آپ ان کو دوبارہ ٹرائی کرلو۔ اللہ کو پسند ہیں وہ لوگ جو بار بار کوشش کرتے ہیں۔ مقصد نیک ہو تو کوشش رائیگاں نہیں جاتی۔۔۔شاہ میر اسے دلاسہ دے رہا تھا۔

میں نے اتنی محنت کی تھی۔۔۔وہ اتنا ہی بھول پائی

۔۔کیا سچ میں محنت کی تھی کیمسٹری یا بائیوفزکس جتنی محنت۔شاہ میر نے پوچھا

اب کی بار وہ چپ ہوئی اس نے واقعی ان کتابوں کو بہت لائٹ لیا تھا۔سائنس والے بچے انہی کتابوں سے تو مار کھا جاتے ہیں۔

کیا آپ مجھے پڑھائیں گے۔مہر نے پوچھا

نہیں۔۔۔وہ اس جواب کی منتظر نہیں تھی اس نے پوری آنکھیں کھول کے مقابل کو دیکھو

۔۔اگر پڑھانے والے بایزید بسطامی ہوں پڑھنے والی رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ جگہ بیت اللہ شریف اور کلام اللہ کا ہو پھر بھی جائز نہیں کہ نامحرم مرد عورت کو پڑھائے۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

مہر کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے کو تھے۔

میں مدد کروں گا ہر جگہ کبھی بھی کہیں بھی۔ پڑھاؤں گا نہیں۔۔۔ مہراب کی بار ذرا سا مسکرائی تھی۔

میرے کمرے میں کچھ بکس موجود ہیں ان سے ہو سکتا ہے آپ کو رہنمائی ملے وہ آپ کبھی آ کے لے جانا۔۔ شاہ میر کہہ کر چلتا بنا۔

وہ اس کے چوڑے شانوں کو دور تک دیکھتی رہی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مزار پر گیارہویں کا ختم شریف تھا۔ خوب چہل پہل لگی ہوئی تھی مزار پہ۔ بہت سے مرید اپنی منتوں مرادوں کے ساتھ حاضر تھے۔

شاہ میر اپنی مستقل جگہ پر باپ کی کرسی کے دائیں طرف حجرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ آس پاس سننے کے لیے موجود تھے۔ ہر گیارہویں کو مزار پے وہ خود خطبہ دیا کرتے تھے۔

پیر صاحب سورۃ عصر کی تفسیر سمجھا رہے تھے۔
زمانے کی قسم، انسان بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان "
لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی نصیحت
"کرتے رہے

زمانے سے مراد دن رات کی گردش ہے۔ رات کے بعد دن کا اجالا تاریکی کو فراموش کروا دیتا ہے۔ اور اسی طرح رات کی تاریکی دن کی روشنی چھپا جاتی ہے۔ کبھی رات لمبی تو کبھی دن لمبا کبھی دن چھوٹا تو کبھی رات چھوٹی۔ یہی زمانہ اللہ تعالی کی کاریگری کا ثبوت دیتا ہے۔ رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں کئی راز پوشیدہ ہیں۔ اس لئے اللہ نے زمانے کی

For more visit (exponovels.com)

قسم کھائی۔ مگرانسانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ قسم کھائیں۔ کیونکہ قسم کھانے سے مال بک جاتا ہے مال میں برکت نہیں رہتی۔
خسارے کا لفظ ایسے لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو ایمان نہیں لائے مگر اپنی زندگی شب و روز کی محنت میں بسر کی۔ اور پھر مرنے کے بعد بھی چین نہ پایا۔
اس کے بعد اہل ایمان کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ مصائب و آلام پر صبر فرائض و شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب صبر، لذت اور خواہشات کی قربانی پر صبر کی تلقین کی گئی۔۔۔

پھر لوگ کیسے چھوٹی چھوٹی تکلیفوں پر رب سے شکوہ کناں ہوتے ہیں۔ رب سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اپنے ذہن میں بٹھا لیتے ہیں کہ میرا تو کبھی کوئی کام بغیر رکاوٹ کے ممکن ہی نہیں۔ میری تو دعا ہیں قبول نہیں ہوتی۔ مومنوں کا تو یہ وطیرا نہیں۔ اہل ایمان والوں کی صفات میں اولین صفت تو صبر کی ہے۔ دکھ زندگی کا حصہ ہیں مگر صبر زندگی کا اثاثہ ہونا چاہیے۔ ایسا اثاثہ جو انسان کو کبھی تھکنے نہ دے۔ جو انسان کی ہمت بندھا کے رکھے۔

اللہ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔۔۔ پیر صاحب نے دعا کے ساتھ تفسیر کا اختتام کیا۔

For more visit (exponovels.com)

سب باری باری اٹھ کے پیر صاحب کے ہاتھ چومنے لگے ۔ اپنی مرادیں بتانے لگے

سب سے آخر میں شامیر اٹھا پیر صاحب کے ہاتھ چومنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے ۔ مگر پیر صاحب نے ہاتھ کھینچ لیے ۔

۔ ۔ نافرمانوں کو جائز نہیں کہ وہ عقیدت کا ڈھونگ کریں ۔ ۔ ۔ پیر صاحب کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے ۔

شاہ میر وہی مٹی کا ڈھیر بنا بیٹھ گیا ۔ جیسے اس پر کسی نے منوں مٹی ڈال دی ہو ۔ اس نے قرب سے آنکھیں میچ لیں ۔

الہی کب تک کب تک آخر میں یہ درد سہوں گا۔۔۔۔ایک آنسو لڑھک کر اس کی گال پر آ ٹپکا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہر بخت محل آئی تھی۔بی جان سے شاہ میر کا پوچھا۔۔وہ تو کسی کام سے شہر گیا ہے بیٹی۔۔۔

ارے میری مہر آئی ہے۔۔۔بڑی سرکار کی محبت بھری آواز آئی

اس نے جھک کے بڑی سرکار سے سلام لیا۔
طبیعت ٹھیک ہے میرے بچے۔۔

جی تائی سرکار۔۔۔۔وہ شاہ میر سائیں نے کچھ بکس کا کہا تھا وہ لینے آئی ہوں۔

کیا سچ میں میرے شاہ میر نے کہا تھا۔۔بڑی سرکار کو جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔

۔۔جی۔۔وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

۔۔شکر ہے میرے بیٹے نے کسی سے بات تو کی۔ جانے کون سا روگ ہے جس سے لے کر وہ بیٹھ گیا ہے۔ مجھ سے بھی کم ہی بات کرتا ہے۔۔۔۔ بڑی سرکار کی آنکھوں میں واضح اداسی تھی۔

مجھ سے بات نہیں کی انہوں نے۔ میں بس پریشان تھی تو مجھے بکس کا کہہ دیا۔ بس۔ وہ بات کرتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔

اچھا جاؤ اس کے کمرے سے لے لو تمہارا زمان لالا کوئی الیکشن وغیرہ لڑنے کا سوچ رہا ہے۔ وہ اسی کے ساتھ گیا ہے شہر۔۔۔ زمان کو بھی بیٹھے بیٹھے کچھ نیا ہی سوجھتا ہے۔ کہتی

ہیں شادی کر لے۔ مگر سنتا ہی نہیں ٹال دیتا ہے۔ بھلا اس کی عمر ہی کیا ہے ابھی۔ بیوی کا دکھ لیے بیٹھا ہے۔۔۔۔۔ مگر کبھی مہر نے زمان کو افسردہ تو نہیں دیکھا تھا۔

اس نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا۔ شاہ میر کہ عطر کی خوشبو نے اس کا سواگت کیا۔ یہ خوشبو تو ہزاروں خوشبوؤں میں بھی پہچان سکتی تھی۔۔۔ سائیڈ ٹیبل پر لیمپ کے ساتھ ہیں فریم میں اس کی تصویر لگی تھی۔ اس کے کانووکیشن کی تصویر تھی۔ وہ مسکراتا ہوا بہت حسین لگ رہا تھا۔

مہر اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کا حسن اپنے اندر اتار رہی تھی۔ اس نے اس تصویر کو اپنے سینے سے لگایا۔ چند لمحے بیٹھی رہی۔
پھر اس کی نظر کرسی کی ٹیک پر پڑی شال پر گی۔ اس نے اپنے آپ کو شال میں چھپانے کی سعی کی۔ کچھ دیر بعد نفاست سے اس کو تہہ کر کے واپس رکھ دیا۔ دیوار کے ساتھ بنے ریک میں بے شمار کتابیں پڑھی تھی وہ سب علم و حدیث کے متعلق تھیں۔ ساتھ ریک میں کچھ سی ڈیز بھی بڑی تھی۔ وہ سب نصرت فتح علی خان کی قوالیاں تھی۔ ہر ایک سی ڈی پے اس کی

فیورٹ قوالی اس نے مار کر سے لکھ دی تھی۔ اس نے ان تمام سی ڈیز کی تصویریں اپنے موبائل میں بنائیں۔ مگر اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون سے کتابیں وہاں سے لے۔۔

وہ دروازے تک گی پھر رک گئی اس نے وہ شال اٹھائی۔ اور چپکے سے باہر نکل گئی۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی چوری تھی۔

کالج میں دوستوں کے ساتھ وہ ٹرتھ اینڈ ڈیر کھیلتے ہوئے وہ کینٹین سے بہت سے لیز بسکٹ چاکلیٹ بڑی نفاست سے چرا لیتی تھی۔ مگر پھر دوستوں سے چھپ کے ان کے پیسے دے آتی۔ مگر آج وہ اس چوری کا ہرجانہ نہیں بھرے گی یہ بات تو طے ہے۔۔

اس نے آتے ہی شال کو بیڈ پہ اپنے تکیے پر رکھا اور سامنے چوکڑی لگا کر بیٹھ گئی۔ مانو سامنے شال نہیں بلکہ خود شاہ میر بیٹھا ہو۔

میں نہیں جانتی میرے وجود کی اہمیت کیا ہے۔۔۔

میں زندگی کو گزار رہی ہو یا زندگی مجھے۔۔۔؟

ہم زندگی بھر صرف خوابوں کے چہرے سنوارتے ہیں۔۔۔

پھر سوچتی ہوں کہ عمر تو وہی ہے جو بچپن میں گزار دی جاتی ہے۔۔۔

اب بچ مانندہ زندگی ہے جو اس کے پیچھے گنوا رہی ہوں۔۔۔۔

کاش کہ ایک دن ایسا بھی آئے۔۔۔

ابھرتے ڈوبتے سورج سے میں توڑلوں ہر رشتہ۔۔۔

میں شام اوڑ کر سو جاؤں۔۔۔۔۔

اور سحر نہ کرو۔۔۔

اور اگر یہ سب ممکن نہ ہو۔۔۔۔

یا میری دعاؤں میں اثر نہ ہو۔۔۔۔

تو پھر وہ دل ہی واپس لوٹ آئے۔۔۔

!ان پرندوں کی طرح۔۔

جو شام ہوتے ہی اپنے ٹھکانوں پر لوٹ آتے ہیں۔۔۔ صفا خالد

For more visit (exponovels.com)

۔۔۔۔۔۔۔۔

ایمان اور زین بشارت سائیں کے شہر والے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے زین کے پیپرز ہونے والے تھے بار بار گاؤں آنا جانا اس کے لئے مشکل تھا۔

احمد زمان لالہ کی کمپین میں بھرپور حصہ دار تھا۔ وہ صبح بابا کے ساتھ کالج جاتا پھر وہیں سے واپسی پر شاہ زمان کی کمپین میں شامل ہو جاتا ہے۔ بشارت سائیں خوش تھے کہ اب ان کا بیٹا لوفر لڑکوں کے ساتھ تو نہیں پھرتا۔

مہر پورے انہماک سے پیپرز کی تیاری میں مصروف تھی۔

جہاں مشکل آتی شاہ میر مدد کر دیتا۔ وہ آج بھی مدد کی غرض سے شاہ میر کے پاس آئی تھی۔ اچانک خیال آنے پر بولی۔

میر آپ سے ایک بات پوچھو؟

۔۔ نہیں کہوں گا تو کیا نہیں پوچھوں گی؟؟ شاہ میر نے کبھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر جواب نہیں دیا تھا

تو پھر نہیں پوچھوں گی۔۔اس نے اداسی سے کہا

خیر پوچھو جلدی پوچھو مجھے مسجد جانا ہے۔ وہ کلائی پر بندھی گھڑی پہ وقت دیکھتے ہوئے بولا

۔۔آپ کو ایمان آپی پر غصہ نہیں آیا۔۔ مطلب ہمارا خاندان تو غیرت مندی میں سب سے پہلی لسٹ پر آتا ہے۔۔۔اس نے بلا سوچے سمجھے پوچھا

۔۔تو کیا آپ مجھے غیرت مند نہیں سمجھتی؟ شاہ میر اب بھی پر سکون تھا۔
مہر حیران ہوئے کہ اس کو غصہ کیوں نہیں آیا۔

نن۔۔نہیں میرا مطلب وہ نہیں تھا۔ سوری بہت غلط بول گئی ہونا۔
نہیں۔۔۔۔
مہر کو سمجھ نہیں آئی وہ کس بات پر نہیں کہہ رہا ہے غیر تمندی والی بات پر یا ایمان پر غصہ ہونے والی بات پر۔۔۔

۔ ۔مجھے ایمان پر غصہ نہیں آیا۔ بلکہ میں خوش ہوں کہ میں ٹوٹتے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا باعث بنا۔ اب میں شاید بنا سوال جنت جا سکتا ہوں۔ ۔ مہراب بھی نہیں سمجھی

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے واپس آئے تھے حضرت عائشہ سے خوشی' میں فرمایا عائشہ مانگو کیا مانگتی ہو۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا کے مشورے کے مطابق خلوت میں ہونے والے باتوں میں سے ایک بات پوچھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے اگر کوئی ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دے گا تو بنا سوال جنت میں جائے گا۔ ۔ ۔ میں اس بات پر ہی بہت پر سکون ہو کہ میرے رب نے مجھے اس امر کے لئے چنا۔

مہر شاک ہوئی۔ کیا وہ سچ میں اپنے رب سے اتنی محبت کرتا ہے۔ اتنی عقیدت اس نے آج تک کہیں نہیں دیکھی تھی۔ مگر وہ کیا تھی اس نے تو نماز بھی کبھی باقاعدگی سے نہ پڑھی تھی۔ البتہ ضرورت آنے پر وظیفہ کر لیتی تھی۔ اور اس کی دعائیں سن بھی لی جاتی تھیں۔ کیا میں اس صالح آدمی کے قابل ہوں۔ ۔ ۔ ؟

مہر کو محسوس ہوا کہ آنسو اس کی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے بہہ کر رگوں میں اتر رہے ہیں۔

وہ گھر آئی اس نے فوراً وضو کیا۔ شاہ میر کی خوبصورت آواز کا انتظار کرنے لگی۔ یہ ایک کام وہ کچھ دنوں سے شدت سے کیا کر رہی تھی۔

پھر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئی۔۔ اس نے آنکھیں میچ کے ان الفاظ کی تاثیر کو سمجھنا شروع کیا۔۔ لا الہ الا اللہ تک وہ ایک ایک لفظ کو اس کے پیچھے دہراتی رہی۔

پھر اس نے نماز پڑھنا شروع کی۔۔ پوری عقیدت پوری دلجمعی کے ساتھ اس نے نماز پڑھی۔
پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہاں سے شروع کیا ہے۔

اے مہربان اور رحم کرنے والے رب تو میرے دل کے حال سے واقف ہے۔ مگر وہ ' انسان میری پہنچ سے بہت دور ہے۔ اس نے آج تک مجھے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ یا الہی

وہ ہر بات میں تیرا نام لیتا ہے۔ یا الہی جس طرح تو نے اس کے دل میں اپنی محبت کا سمندر ڈالا۔ اسی طرح اس کے دل میں میری محبت کا اک قطرہ ڈال دے۔ تو مجھے آنکھ اٹھا کر دیکھ لے۔ وہ مجھے تو نگر کر دے۔۔ اس سے آگے کچھ نہیں بولا گیا شاید مانگنے کی حد یہیں تک تھی اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔

وہ صبح اٹھی ناشتے کی غرض سے کچن میں گئی تو فاطمہ کے نام پر چونک کے رک گئی۔

زلیخہ بی بی اور پروین (ملازمہ) کچھ رازدارانہ باتوں میں مصروف تھی۔

۔۔ بی بی مجھے تو لگتا ہے کہ اس فاطمہ تھی ہی ایسی اسی لئے تو اس کا مرد روز اسے مارتا تھا۔ بھلا پسند کی شادی پر بھی کوئی مرد اپنی عورت پر اتنے ظلم کرتا ہے۔ اس کی ماں کا تو رو رو کر برا حال ہے باپ بھائیوں کو تو کسی کو منہ دکھانے جوگا نہیں چھوڑا اس نے۔ وہ تو بھلا ہو پیر سائیں کا انہوں نے فاطمہ کو شہر بھیج دیا ورنہ شاید اس کا باپ بھائی تو اس کو قتل ہی کر دیتے۔

۔۔کیا کیا ہے فاطمہ نے؟؟ مہر کی آواز پر دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

کچھ نہیں کیا۔ پروین مہر کے لیئے ناشتہ بنا دو۔۔۔ زلیخہ بی بی نے بات کو فوراً پردے میں کیا۔ وہ خاندان تھا ہی ایسا اس طرح کی باتیں جوان اولاد خاص طور پر بیٹیوں سے کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

۔۔۔۔۔۔

میرے امیر! آپ نے میرے دل کی جنگ مجھ سے ہی کروادی ہے میرا دل اب بغاوت پہ اتر آیا ہے۔۔۔
مہر نے سکیچ بک پہ شاہ میر کے سکیچ کے نیچے لکھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دنیا میں کوئی ایسا حسن نہیں بنا جو ٹوٹے ہوئے دل کا خمیازہ بھگت سکے۔۔۔ اس نے خود بنائے ہوئے سکیچ کے نیچے لکھا۔
اب اسے اردو سمجھ آنے لگی تھی۔ سچ کہتے ہیں کہ شاعری کلام میں وصت لاتی ہے۔ مگر مایہ نازی شرط ہے۔

اس نے بک کا اگلا صفحہ پلٹا شاہ میر کا ایک اور سکیچ سامنے تھا۔ اس نے لکھنے کے لیے پین اٹھایا

۔۔ نظر و قلب، ہوشیار باش عشق تشریف لایا ہے۔۔۔

اگلے صفحے پر ایک اور تحریر لکھی گئی

ع سے عشق۔۔۔

ق سے قدرت۔۔

!!میرے سلطان۔۔

اب آپ پر منحصر ہے۔۔

آپ اس عشق کو، ش سے شعلہ بناتے ہیں یا شبنم۔۔۔ !صفا خالد

مہر کو آج دوبارہ سے امتحان دینے جانا تھا۔ زلیخہ بی بی اسے اکیلے ڈرائیور کے ساتھ بھیجنا نہیں چاہتی تھی۔

شاہ میر نے ان کو دروازے پر کھڑے دیکھا تو پوچھا۔ جی سرکار کچھ چاہیے۔۔؟

For more visit (exponovels.com)

!بیٹا وہ مہر کا پیپر ہے اس نے شہر جانا ہے مگر ڈرائیور کے ساتھ۔۔۔۔۔ بھیجنا۔۔۔
شاہ میر سمجھ گیا اسے کہیں چادر لے کے آئے میں شہر ہی جا رہا ہوں۔

مہر نے جب سنا تو اس کی خوشیوں کو پر لگ گئے۔ وہ اڑتی پھرتی گاڑی تک پہنچی اور اس کے برابر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ مقابل نے اس کو ایک نظر دیکھا جیسے کہنا چاہ رہا ہو بی بی یہ شہر نہیں گاؤں ہے یہاں لڑکیاں مردوں کے مقابل نہیں بیٹھتی۔۔۔ مگر پھر نظر انداز کر کے گاڑی اسٹارٹ کی۔

مہر اس آدھے گھنٹے کے سفر پر نحال تھی۔
دھڑکنیں اتھل پتھل ہوئی۔ بولنے کی ہمت تک نہیں ہو پا رہی تھی۔ اوپر سے اس کی آوارہ زلفیں بار بار کانوں کی قید سے نکل کر اس کے منہ پے آجاتی۔ وہ ان کو کسی کان کی قید میں دیتی ان کو قید پسند نہ آتی پھر کچھ لمحے بعد اس کے چہرے کا طواف کرنے آجاتی۔

کیا پیپر کی تیاری اچھی نہیں ہے۔؟۔۔

شاہ میر اس کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔

نہیں اچھی ہے۔۔۔ مہر دھیرے سے بولی۔

ہمممممم۔۔۔ پھر وہ خاموش ہوا۔

مہر کی نظر اس کی کلائی سے تھوڑا سا پیچھے بازو پر ایک چھوٹے سے ہلکے نیلے رنگ کے نشان پر پڑی۔۔۔۔

آپ کے بازو پر یہ نشان۔۔۔۔ مہر پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

For more visit (exponovels.com)

اس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک نظر اپنے بازو کو دیکھا۔۔ ہاں یہ۔۔!یہ تو برتھ مارک ہے۔

۔۔اچھا آپ کو پتا ہے برتھ مارک کے بارے میں روایات میں کیا لکھا ہے۔۔۔مہر کی تیزIQ جنرل نالج کافی اچھی تھی۔اسے کتابوں سے کافی حد تک لگاؤ رہا تھا۔اس نے اپنی کرنے کے لیئے بہت سی جنرل نالج کی کتابوں کو پڑھا تھا۔ مگر تب تک جب اس کی زندگی میں بی ٹی ایس نہیں آئے تھے۔

کیا لکھا ہے۔۔۔شاہ میر نے ہنوز ڈرائیونگ کرتے ہوئے پوچھا

۔۔کہا جاتا ہے کہ انسان کے جسم پہ پچھلے جنم میں جس حصے پہ مار کے اسے قتل کیا گیا تھا۔ اگلے جنم میں وہ قتل کا زخم برتھ مارک کے بن آتا ہے۔۔۔اسے لگا تھا شاہ میر اس کی نالج پر متاثر ہوگا۔

مگروہ ذراسا مسکرایا۔۔ پاگل آپ کو لگتا ہے کہ پچھلے جنم میں مجھے قتل کیا گیا تھا۔؟

مہر اس کی مسکراہٹ پر صدقے واری ہونے کو تیار تھی۔ مگر لفظ 'قتل' پر اس کی سانسیں اٹک گی۔

اللہ نہ کرے میرے حاکم آپ کو کچھ ہو۔ ورنہ آپ کی کنیز تو جیتے جی مر جائے گی۔۔۔ وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھی جا رہی تھی۔

:۔ شاہ میر نے دیکھا کہ وہ اس کو گھور کے دیکھ رہی ہے۔ تو فورا بولا

۔ بچے ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے عقائد میں کوئی پچھلا اگلا جنم نہیں ہوتا۔ ہم ایک بار ہی پیدا کیے جاتے ہیں۔ ایک بار ہی مرتے ہیں۔ اور پھر اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے ہمیں

دوبارہ زندہ کیا جائے گا وہ دن ہماری تقدیر کے فیصلے کا دن ہو گا۔ نیک اعمال پر جنت استغفر اللہ برے اعمال پر جہنم۔۔۔

مہر نے دیکھا کہ جہنم کے نام پر اس نے جھرجھری لی تھی۔

مہر کو اپنا اب احتساب کرنا تھا۔ اس نے کہاں نیکیاں چنی تھی اور کہاں سے جہنم کی آگ جمع کی تھی۔

گاڑی کے اسٹیریو پلیئر پر نصرت صاحب کوئی کلام پیش کر رہے تھے۔

"زندگی کتنے ہی مُردوں کو عطا کی جس نے۔۔"
وہ مسیحا بھی صلیبوں پہ سجا دیتے ہو۔۔۔۔
!خواہشِ دید جو کر بیٹھے سرِ طور کوئی۔۔۔
طور، ہی بن کے تجلی سے جلا دیتے ہو۔۔۔
!نارِ نمرود میں ڈلواتے ہو خود اپنا خلیل۔۔۔۔

خود ہی پھر نار کو گلزار بنا دیتے ہو۔۔۔

!چاہِ کنعان میں پھینکو کبھی ماہ کنعاں۔۔۔

نورِ یعقوب کی آنکھوں کا بجھا دیتے ہو۔۔۔

!بیچ کے یوسف کو کبھی مصر کے بازاروں میں۔۔۔

آخر کار شاہِ مصر بنا دیتے ہو۔۔۔

!جذب و مستی کی منزل پہ جو پہنچتا ہے کوئی۔۔۔

بیٹھ کے دل میں انا الحق کی صدا دیتے ہو۔۔۔

!خود ہی لگواتے ہو پھر کفر کے فتوے اس پر۔۔۔

خود ہی منصور کو سولی پہ چڑھا دیتے ہو۔۔۔

!اپنی ہستی بھی وہ اک روز گنوا بیٹھتا ہے۔۔۔

اپنے درشن کی لگن جس کو لگا دیتے ہو"۔۔۔۔

۔۔۔۔۔

شاہ میر کے روم میں ایک سی ڈی پر 'بہترین' لکھا تھا۔ وہ اس کلام کو بہت سنتا تھا۔ مہر پہ واجب تھا کہ وہ بھی اس کلام کے اک اک لفظ کو حفظ کر لے۔ پچھلے چار سال میں پہلی بار ہوا تھا کہ آجکل وہ کوئی گانا نہیں سن رہی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

اب وہ نصرت کو سنتی ہے جون کو پڑھتی ہے۔۔۔

شاہ میر اکثر اپنی یونیورسٹی جہاں سے اس نے ایم فل کیا تھا لیکچر دینے آیا کرتا تھا۔ وہ آج بھی شہر اسی غرض سے آیا تھا۔
جیسے ہی مہر گاڑی سے اتری شاہ میر نے اسے کہا :

۔۔ فری ہو کر کال کر دینا میں آ جاؤں گا۔

وہ ابھی بھی اس کی روح پرور باتوں کے سحر سے نہ نکلی تھی۔۔ اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی۔
کمرہ امتحان میں وہ زرا پہلے پہنچ گئی تھی۔ وہاں تمام لڑکیاں شعراء کے نام تلخیص، تشریح، خطوط، مضامین نا جانے کون کون سا اردو کا نصاب رٹ رہی تھیں۔
مہر واحد اپنی ہی دھن میں نظر آ رہی تھی۔ بلیو مار کر سیدھے ہاتھ میں پکڑے دوسرے ہاتھ پر کچھ لکھ رہی تھی۔۔ جب اس کے کانوں میں ڈائز کے بجنے کی آواز آئی۔۔

۔۔ تمام اسٹوڈنٹ اپنی بکس باہر رکھ آئیں پیپر شروع ہونے والا ہے۔

اچانک اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔۔ ہاتھ پر خوبصورت کیلیگرافی کے انداز میں لکھا تھا
امیرِ مہر'۔۔۔'
!اپنے ہاتھ کو دیکھ کر چونک گئی۔ پین سے لکھتی تو ریموور سے ریز کر لیتی مگر مارکر۔۔
وہ بے دردی سے اپنا ہاتھ مل رہی تھی۔۔۔
کمرہ جماعت میں شور بڑھنے لگا ایگزیمینر نے ایک بار پھر ڈائز بجایا۔
۔۔آواز نہیں آئے۔

مہر کا سکتا ٹوٹا اس نے ادھر ادھر دیکھا تمام طلبہ اپنی بکس وغیرہ کلاس سے باہر رکھ کر آ رہی تھی۔
بکس اس نے بیگ سے نکالی ہی نہیں تھی۔ اپنی مطلوبہ چیزیں پین مارکر ریموور کچی پنسل ریزرول نمبر سلپ وغیرہ اس نے بیگ سے نکال کر ٹیبل پر سجائیں اور بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف چل دی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہر امتحان دے کر نکلی تو پر سکون لگ رہی تھی۔ شاید شاہ میر کی تشریح تلخیص کام آگئی تھی۔

اس نے بیگ سے موبائل نکالا اچانک یاد آیا کہ اس کے پاس شامیر کا نمبر ہی نہیں ہے۔ اسے کبھی اس کے نمبر کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ جب کبھی آنکھیں اس کی دید کو ترستی تو زینے پھلانگ کر چھت سے اس کے پاس پہنچ جاتی تھی۔۔۔

اور آج تک کسی کو محل میں اس کی اس حرکت تک کا علم نہ ہوا تھا شامیر نے دنیا مافیہا سے بے گانگی جو اختیار کر رکھی تھی۔۔ بلائی منزل پر منتقل ہو گیا تھا۔ چپکے سے آتی اور دھیرے سے چلی جاتی۔

اس کی غیر موجودگی میں اس کا لمس اس کی استعمال شدہ چیزوں سے حاصل کرتی۔ اس کی تصویر پر اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

۔بے وقوف لڑکی اب کیا کرے۔ ایسا بھی کیا عشق کہ جو کون و مکاں سے ہی بیگانہ کر دے۔ اب سڑتی رہو یہاں پہ۔۔۔

موسم بھی ابر آلود ہوتا نظر آ رہا تھا۔ سینٹر پر اکا دکا لڑکیاں ہی نظر آ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ زین سے شاہ میر کا نمبر لیتی اس کے فون پر ایک انجانے نمبر سے کال موصول ہوئی۔۔

ہیلو۔۔۔
السلام علیکم۔۔۔شاہ میر کی آواز پر وہ ذرا سا خجل ہوئی۔اس کی بھاری خوبصورت مردانہ آواز تو لاکھوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتی ہے۔
وعلیکم السلام۔۔۔

۔۔فری ہوگی آپ۔۔؟

جی میں فری ہوں۔۔

۔۔اوکے میں باہر ہوں آجاؤ۔۔
سگنل کے رستے میں آنے والا سحر ٹوٹ گیا تھا رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

کیا ان کے پاس میرا نمبر ہے ؟۔ وہ خوش ہو کر شامیر کا نمبر اپنے موبائل میں سیو کرنے لگی۔۔ نام لکھنے کے خانے میں وہ ذرا سوچ میں پڑ گئی

پھر اس کی آنکھوں میں روشنی کی نوید آئی۔

نام منتخب ہو گیا تھا۔

نام لکھ دیا گیا تھا۔

'سلطانِ مہر'

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی گیٹ سے باہر نکلی۔ زرارک کے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ شاہ میر گاڑی سے ٹیک لگائے کسی سے فون پر محوِ گفتگو اسی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ چلتی چلتی اس کے پاس آئی۔ وہ رخ پھیر گیا۔

۔۔ کاش یہ انسان مجھے کبھی نظر بھر کے دیکھے۔ معصوم سی خواہش نے انگڑائی لی۔

مہر کو سڑک کنارے کیچڑ والا واقعہ یاد آیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آئی۔

۔۔لگتا ہے پیپر بہت اچھا ہوا آپ کا۔؟شاہ میر نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا

جی بہت اچھا ہو گیا۔۔وہ 120 کی سپیڈ سے دوڑتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

ہمممم۔۔۔شاہ میر کے اس ہمم سے اس کو چڑ تھی۔منہ کا ڈیزائن بنا کر اس کو دیکھ رہی تھی۔

گاڑی ابھی یونیورسٹی ایریا سے باہر نہیں نکلی تھی کہ تیز بارش شروع ہو گئی۔ٹھنڈ بہت بڑھ گئی تھی۔بہاولپور میں بارش کم ہوتی ہے ریت کا پانی سے کھلم کھلا بیر ہے۔مگر لگ رہا تھا کہ مہر کی محبت کا اثر ریتلی زمین پر بھی ہوا ہے۔ریتلی زمین پانی کو قطرہ قطرہ اپنے اندر اتار رہی تھی۔

اچانک بہت زور سے بجلی گرجی. وہ ذرا گھبرا کر شاہ میر کے قریب ہوئی۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔ موسم کے ارادے کافی خطرناک لگ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ڈرائیونگ سیف نہیں ہے ۔مجھے ویسے بھی یہاں کسی سے ملنا ہے۔ اگر آپ کو مسئلہ نہ ہو تو کیا ہم ان کے گھر تھوڑی دیر کے لیے چلیں۔۔۔شاہ میر میں نے اس کو بنا دیکھے کہا

کس کے گھر۔۔۔مہر نے پوچھا

میرے پروفیسر ہیں۔ اکیلے رہتے ہیں۔ آج کل بیمار ہیں تو میں ان کی عیادت کو جانا چاہتا ہوں۔۔شاہ میر نے بتایا۔

مہر نے رخ موڑ کے کارونڈو کے باہر موسم کا آخری بار جائزہ لیا۔ پھر بولی۔

ٹھیک ہے جیسے آپ کو بہتر لگے۔۔

ہممم۔۔۔شاہ میر کے پھر ہممم پر اس کو شدید غصہ آیا۔ مگر زبان بندی مجبوری تھی۔

رخ موڑ کے ونڈو کے باہر دیکھنے لگی۔

ایک بائیک پر نوجوان کپل شاید موسم انجوائے کرنے نکلا تھا۔
ٹھنڈ کے باعث لڑکی لڑکے سے چپکی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ گھما کے لڑکے کی جیکٹ کی پاکٹ میں ڈال رکھا تھا۔ دوسرا ہاتھ لڑکے کے کندھے پر تھا۔ اپنے ہونٹ لڑکے کے کین کے قریب جا کر کوئی سرگوشیاں کر رہی تھی۔
مہران کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اچانک دل نے شرارت کی سوچا کہ کاش ان دونوں کی جگہ وہ خود اور شاہ میر ہوتے۔ پھر مسکرائی

کیا ایک مذہبی بندہ اپنی بیوی کو اتنی آزادی دے گا۔۔ لفظ بیوی پر اس کے گال بلش کرنے لگے۔

پروفیسر صاحب کے گھر کی گلی ذرا تنگ تھی۔ دیکھنے میں مڈل کلاس ایریا لگا تھا۔

چوک سے تیسرے نمبر پر پروفیسر صاحب کا گھر تھا۔ گاڑی سے گھر تک آتے آتے وہ تھوڑا بہت بھیگ چکے تھے۔ شاہ میر مہر کے آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ اس سے ایک قدم پیچھے تھی۔

وہ اس کے چوڑے شانوں پر پڑی شال پر بارش کے قطرے دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی شال پر گرتے ہی کہیں گم ہو جاتے۔ وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اچانک شاہ میر ایک گھر کے دروازے پر رکا۔ وہ ہنوز چلتی چلتی اس کے کندھے سے ٹکرائی۔ شاہ میر نے اسے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

مہر کا ہاتھ لاشعوری طور پر اس کے ماتھے پر گیا۔ ماتھا ابھی ابھی اس کے من محرم کے کندھے کا بوسہ لے کر واپس جو پلٹا تھا۔

مہر نے شرمندہ سا منہ بنایا۔ ۔ شاہ میر نے اس سے کچھ نہیں پوچھا اور دروازے پر دستک دی۔

مہر کا ہاتھ ماتھے سے دل تک جا پہنچا تھا۔ جہاں دھڑکنوں نے قیامت برپا کی ہوئی تھی۔

وہ اپنے دل کو ابھی سنبھال ہی رہی تھی کہ دروازہ کھولنے والی ہستی کو دیکھ کر اس کے پیروں سے زمین کھسک گئی۔

السلام علیکم سائیں۔۔فاطمہ کی آواز نے مہر کا سکتا توڑا۔

وعلیکم السلام۔۔شاہ میر سلام کا جواب دیتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوا۔

۔۔بی بی آپ بھیگ رہی ہیں۔۔۔فاطمہ نے مہر کو پتھر کی مورت بنے دیکھا تو بولی۔
وہ ایک قدم اٹھاتی گھر کے اندر پہنچی۔

ڈرائنگ روم میں جاتے ہی سلام کیا۔
پروفیسر عبدالرحمان بمشکل اٹھے اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔بیٹا آپ تو بھیگ گئے ہو۔
بولنے والے کے انداز میں بہت چاشنی تھی۔رو یہ قطعاً سرائیکی نہیں لگا تھا۔ورنہ سرائیکی اردو بھی بولتے تو اردو میں بھی ان کی زبان کی جھلک نظر آتی تھی۔

فاطمہ مہر کو ایک کمرے میں لے گئ۔ تاکہ وہ اپنی بھیگی ہوئ شال بدل سکے۔
فاطمہ مہر کی حیرانی کو واضح محسوس کر سکتی تھی۔
آپ مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہیں۔۔

جی میں تب سے یہی سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں کے تم یہاں کیسے۔۔۔ مہر نے جواب دیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فاطمہ اس گاؤں کی پہلی لڑکی تھی جس نے میٹرک کا بورڈ ٹاپ کیا تھا۔ مگر قسمت کو اس کی خوشی منظور نہ تھی۔
اس کا پھپھی زاد طارق جو عمر میں اس سے پانچ سال بڑا تھا۔ اس کو فاطمہ سے محبت ہو گی۔ فاطمہ کے لالچی باپ نے پچیس ہزار کے عوض اپنی بیٹی کا سودا کر لیا۔ فاطمہ جو ٹاپ کرنے کے بعد مستقبل میں وکالت کے حسین خواب دیکھ رہی تھی۔ باپ نے اس کو بیاہ کی زنجیر میں باندھ دیا۔ شروع شروع میں شوہر کی محبت پا کر وہ تمام خواب بھول گئ۔ مگر آہستہ آہستہ طارق اس پر شک کرنے لگا کہ وہ اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ ملوث ہے۔۔ طارق اس کو روز پیٹتا۔ طارق کو شروع سے جوئے کی عادت تھی۔ جو بھی کماتا جو

جوئے کی نظر کر دیتا۔ فاطمہ کی ساس ایک شاطر عورت تھی وہ طارق کو اور بھڑکا دیتی طارق اس کے جسم کو نیل و نیل کر دیتا۔ وہ تڑپتی سسکتی ماں کی آغوش میں جاتی تو باپ اسے شوہر کی دہلیز پر چھوڑ آتا۔ اس کی ساس نے اس کو گاؤں کی چوغیوں کے ساتھ لگا دیا وہ سارا دن پیرو کے کھیتوں سے کپاس چنتی تھک ہار کے گھر واپس جاتی تو ساس جمع پونجی چھین لیتی اور چولہے چوکی میں گھسا دیتی۔ کچھ عرصے بعد اللہ نے اس پر کرم کیا وہ امید سے ہوئی۔
طارق کا رویہ اب بدلنے لگا تھا گاہے بگاہے وہ اس کو کچھ رقم دے دیتا۔ اس نے کچھ نئے کپڑے بنائے خوبصورت پراندے بالوں میں سجانے لگی۔ مگر طارق کی والدہ کو یہ سب قطعاً قابلِ قبول نہ تھا۔ اس نے ایک سازش رچی اپنے چھوٹے بیٹے جسے طارق گھر سے باہر نکال چکا تھا اپنی بیماری کا بہانہ بنا کر اسے بلایا۔ موقع پا کر اس کی ساس نے ان دونوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ طارق نے جب یہ سب دیکھا تو اس کو اپنے شک پر یقین ہوا اس نے فاطمہ کو بہت مارا وہ اس کی مار سے بے ہوش ہو گئی اس کو مرا ہوا کمرے میں چھوڑ کر خود فرار ہو گیا۔
شام سات بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو صحن میں ایک مجمع لگا ہوا تھا باپ اور بھائی فاطمہ کو مارنے کے درپے تھے۔ مگر ماں رو رہی تھی تڑپ رہی تھی۔

فاطمہ بہت گبھرا گی۔ اس نے خودکشی کا ارادہ بنا لیا تھا وہ اس گھر کی چھت پر جا کر چھپ گئی۔ جب اس کا بھائی اس کے قتل کے غرض سے کمرے میں آیا تو فاطمہ کا نہ پا کر اس نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ بھاگ گئی۔

وہ سب اس گھر سے نکلے اور فاطمہ کو گاؤں اور شہر جانے والی سڑک پر ڈھونڈنے لگے۔ وہ بہت ہوشیاری سے دیوار پھلانگ کر گھر سے نکلی اور مزار کے قریب بڑی نہر کے کنارے پہنچی۔ تاکہ بدمست لہریں اس کی روح جسم کی قید سے آزاد کروا سکیں۔
وہ جیسے ہی پر کھڑی ہوئی تو شاہ میر جب اپنا غم غلط کرنے کے لیے لہروں کو دکھڑا سنا رہا تھا۔ اس نے اس دھان پان سی لڑکی کو خودکشی سے روکا اور مزار کے حجرے پر لے آیا۔ اس سے تمام واقعہ سنا۔ شاہ میر چاہتا تھا کہ اسے اس کے باپ اور بھائی کے حوالے کر دے باپ اور بھائی کو سمجھائے کہ بیٹیاں زحمت نہیں ہوتی۔ مگر فاطمہ کسی صورت نہ مانی۔ مانتی بھی کیسے باپ نے پچیس ہزار کے عوض جو سودا کیا تھا۔

شاہ میر رسائیں نہ کسی طرح اس کی ماں سے رابطہ کیا۔۔ ماں نے ان کے آگے ہاتھ پاؤں جوڑے کیونکہ ماں کو اپنے بیٹے اور شوہر پر بھروسا نہیں تھا۔ وہ موقع پا کر اسے کبھی بھی موت کی نیند سلا سکتے تھے۔
ویسے بھی گاؤں بھر میں بدنام تو ہو ہی چکی تھی۔ اس لیئے پیر شاہ میر سائیں مجھے شہر لے آئے۔ پیر زین سائیں کی طرف وہ نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ان کے گھر بہت سے گاؤں کے ملازم موجود تھے۔
شاہ میر کو فاطمہ کی حفاظت کے لیے پروفیسر عبدالرحمن کے گھر کی جگہ کوئی ٹھکانہ نہ ملا۔ وہ جانتا تھا کہ پروفیسر صاحب اسے اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گے۔ پروفیسر صاحب کا ایک ہی بیٹا تھا۔ رومان اور شامیر کلاس فیلو تھے دونوں کی دوستی میں مثالی تھی باسکٹ بال میں دونوں کو کوئی ہرا نہ سکتا تھا۔ کالج کے بعد پروفیسر صاحب نے اسے پڑھنے کی غرض سے ترکی بھیجا وہاں کسی سیکولر لڑکی سے شادی کر کے سیٹ ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی سیلن کسی طور پاکستان آنے کو تیار نہ تھی۔ اس طرح پروفیسر صاحب اپنے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھے۔
پروفیسر صاحب بزرگی کی عمر کو پہنچ چکے ہیں شاہ میر اکثر ان کے پاس آتا مہینے بھر کا راشن لے آتا محلے والے بھی ان کا خوب خیال رکھتے تھے۔ محلے بھر کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے اور اپنی تنہائی کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

شاہ میر کو فاطمہ کے لئے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہ لگی۔ دونوں تنہا تھے ایک دوسرے کا ساتھ دونوں کے لیے زندگی کی نوید تھا۔

پروفیسر صاحب چاہتے ہیں کہ وہ آگے پڑھے لاء کرنے کا اپنا خواب پورا کرے۔ اسے پروفیسر صاحب کی صورت میں باپ شاہمیر کی صورت میں ایک بڑا بھائی مل گیا تھا۔

مہر کو پتہ نہ چلا کہ کب اس کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور اس کے دامن میں جذب ہوئے۔ فاطمہ کی دی ہوئی شال لڑھک کر کندھے پر آٹکی تھی۔

مہر کہ دل میں شامیر کے لئے جو جذبہ تھے اب وہ عقیدت کی منزل تہہ کر کے مریدنی کا روپ اختیار کر چکے تھے۔

فاطمہ اپنے پیچھے بہت سی کہانیاں چھوڑ آئی تھی جتنے منہ اتنی ہی باتیں نکل رہی تھی۔ مگر ہمیشہ تصویر کا دوسرا رخ موجود ضرور ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ہم سنی سنائی بات کو صدق جان کر دوسروں پر بہتان لگا دیتے ہیں۔ یقیناً بہتان کی بھاری سزا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں۔

For more visit (exponovels.com)

کافی دیر وہ دونوں جب کمرے سے نہ نکلی شاہ میر کمرے کی طرف آیا۔
مہر کی دروازے کی طرف پشت تھی اس کے لمبے کالے بال تھوڑے بھیگے بھیگے سے معلوم ہو رہے تھے۔ کسی پونی کی قید سے محروم تھے۔ شاہ میر نے پہلی بار نظر بھر کے اسے دیکھا اسے اپنی ڈھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی۔
وہ دروازے کی اوٹ میں جا چھپا دستک کے انداز میں دروازہ بجا کے واپس پروفیسر صاحب کے پاس آگیا۔
وہ دونوں کمرے سے باہر نکلیں فاطمہ کچن کی طرف بڑھ گئی مہر پروفیسر صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

۔کیا کرتی ہو بیٹا آپ۔۔ پروفیسر صاحب نے مہر کو مخاطب کیا
میں ایم کیٹ کی تیاری کر رہی ہوں۔۔

ماشاءاللہ ماشاءاللہ اللہ پاک کامیاب کرے۔۔۔
مہر نے ایک نظر شاہ میر کو دیکھا جو موبائل میں شاید کوئی میسج ٹائپ کر رہا تھا۔

آج اس کے دل میں جو شاہ میر کے لیے جذبہ جاگا تھا۔ وہ عقیدت اور احترام سے سرشار عشق تھا۔
شاہ میر مسلسل چپ تھا پروفیسر صاحب نے اس سے پوچھا۔

۔۔شاہ میر اب تم بھی کرلو شادی۔ میرے مرنے سے پہلے پہلے اپنی شادی کے چاول کھلادو۔ رومان کی شادی میں تو شرکت نہیں کرسکا۔ چلو دوسرے بیٹے کی شادی پہ سہی۔

اس بات پہ شاہ میر کی آنکھوں میں اضطراب آیا۔۔ مہر نے پوری آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا

پروفیسر صاحب میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔۔ وہ اتنا ہی بولا۔

۔۔پیر شہاب الدین سے میں خود بات کروں گا۔ جتنے تم اس کے بیٹے ہو اس سے کہیں زیادہ تم میرے بیٹے ہو۔ میرا بھی تم پر پورا حق ہے۔ میں تمہارے ساتھ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔۔ پروفیسر صاحب شاید پورا قصہ جانتے تھے۔

۔۔نہیں پروفیسر صاحب اچھا ہے نہ ساری زندگی اللہ کی عبادت میں گزار دوں۔ جیسے صحابہ کرام تنہائی میں عبادت کے لیے جنگلوں میں نکل جاتے تھے۔۔ وہ ذرا سا مسکرایا

۔۔پاگل مت بنو اپنی جوانی پر رحم کھاؤ بچے۔ جنازہ جائز نہیں کروانا کیا۔۔ آپ کی بار پروفیسر صاحب بھی ہنس کر بولے۔

اس سے پہلے شاہ میر کوئی جواب دیتا ہوں فاطمہ ہاتھ میں برتن پکڑے کچھ کھانے کے لوازمات لے آئی۔
پروفیسر صاحب کھانے کے ساتھ شاہ میر کے کالج کے قصے سنا رہے تھے۔ مہر پوری دلجمعی سے سن رہی تھی جیسے یہ قصے اس کے اگلے اسلامیات کے پرچے میں آنے والے ہوں۔

مہر کو پروفیسر صاحب سے بہت اپنا ئیت محسوس ہوئی۔ جب وہ جانے کے لیئے اٹھے تو پروفیسر صاحب نے مہر کو روکا

بیٹی پہلی دفعہ گھر آئی ہو خالی ہاتھ نہیں جاؤ۔ مجھ سے ایک مشعل لے جاؤ۔
مہر نے نہ سمجھی سے انہیں دیکھا

۔۔ بیٹی سونے سے پہلے استغفار کر کے سویا کرو تاکہ اگلے دن گناہوں سے پاک اٹھو۔
ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ دن میں کم ازکم سو دفعہ استغفار پڑھتے تھے۔

اور صبح اٹھتے ہی بستر پر بیٹھ کر پہلا کلمہ پڑھا کرو۔ تاکہ آپ کو عادت ہو جب آپ کی آنکھ قبر میں کھلے تو آپ کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھو۔ اور اس سے بھلا بہترین تحفہ آپ اپنے رب کے لیے اور کیا لے جاسکتے ہو۔

بہت شکریہ پروفیسر صاحب میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ اس نے جھک کے پروفیسر صاحب سے پیار لیا
پھر وہ فاطمہ سے ملی۔

۔۔مجھے اپنی بہن سمجھو جیسے شاہ میر کو بھائی سمجھتی ہو۔ وہ ذرا روک کے مسکرائی۔

زندگی میں کبھی میری ضرورت پڑے تو مجھے لازمی یاد کرنا۔

اس سے اپنی شال لیتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ شاہ میر پہلے ہی بیرونی دروازے پر موجود تھا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ان کو نکلتے نکلتے تقریبا شام ہو گئی تھی۔ سردیوں کے دن ویسے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔
شاہ میر نے گھر فون کر کے موسم کی خرابی کا بتا دیا تھا۔

مہر اس کے ساتھ سفر کے لیے پھر سے تیار اس کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔ ہو سکے تو فاطمہ کا ذکر گھر میں نہ کیجیے گا۔۔ شاہ میر نے دھیرے سے کہا

۔۔ آپ مجھ پر بھروسہ رکھیے۔ مہر نے کہا۔

آپ بہت اچھے ہیں میر۔۔ مہر اس کو چپ کر بولی

پتا نہیں۔۔ اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا اور زبان کو دوبارہ سے دانتوں کی ڈبی میں رکھ لیا۔

کچھ دیر کے لیے دونوں خاموش رہے۔

مہر کے دل نے دوبارہ شرارت کی۔

مجھے چاٹ کھانی ہے۔۔ مہر نے سامنے ایک ریڑھی کو دیکھ کر کہا۔

شاہ میر نے اسے حیرانی سے دیکھا

۔ابھی تو فش کا کے آئے ہیں۔۔

مجھے چاٹ کھانی ہے پلیییییز۔۔

مگر ریڑھی تو پیچھے گزر گئی۔۔۔

۔۔ ہم یوٹرن لے لیتے ہیں آگے سے۔۔ مہر نے فوراً اسے حل بتایا۔

شاہ میر نے سر کو جنبش دی۔ جیسے کہہ رہا ہو
۔۔ عقل سے پیدل لڑکی۔۔

For more visit (exponovels.com)

شاہ میر ٹرن لے کر واپس ریڑھی تک آیا۔ ریڑھی والا خود ہی گاڑی دیکھ کر خود ہی ان کی طرف آگیا۔

ایک پیک کر دیں۔۔

نہیں دو۔۔۔ وہ فوراً سے بولی

شاہ میر نے سر کے اشارے سے ریڑھی والے کو جانے کو کہا۔

۔۔ یہ لڑکی پاگل ہے یا ڈرامے کر رہی ہے۔ فش کھا کے بھی دو دو چاٹ کھائے گی۔ شاہ میر پہلی بار اس کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شاہ میر ٹیسٹ میں کامیاب ہو گیا تھا

For more visit (exponovels.com)

مہر نے سوچا کہ اگر وہ اس کی بات مان لے گا اک لڑکی کو لے کر سر عام یوں سڑک کنارے کھڑا ہو گا تو مطلب کے وہ اس کی کئیر کرتا ہو گا۔

اس کی وش پوری کرنے کے لیے اپنی ذات سے باہر آ گیا تھا وہ۔

مہر کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی چھلک رہی تھی۔

شاہ میر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

۔میں اس لڑکی کے آگے بے بس کیوں ہو جاتا ہوں۔ ہماری یہ روایت تو نہیں کہ ہم اپنے گھر کی لڑکیوں کو یوں سڑک کنارے لے بیٹھیں۔ کچھ تو گڑبڑ مچا رہی وی یہ لڑکی۔۔۔ اس کی آنکھوں میں بے باک مہر کا خاکہ بنا جو ضد کرنا بھی جانتی ہے اور منوانہ بھی۔

چاٹ والا چاٹ لے آیا۔ شاہ میر نے پیسے دے کر چاٹ اس کی طرف کی۔ اس نے ایک پلیٹ پکڑی اور بولی۔۔

۔۔اب میں اتنی بھی بھکڑ نہیں ہوں۔ ویسے بھی آپ مجھے کھاتے ہوئے نظر بھی تو لگا سکتے ہیں۔۔۔شاہ میر کا بس چلتا تو سر پکڑ کے بیٹھ جاتا۔

گدی نشین جس کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے بھی اوپر ہے۔ایک لڑکی کے ساتھ سڑک چاٹ کھانا اس کی شان کے خلاف تھا

مہر نے دونوں ڈسپوزیبل پلیٹوں کو اپنی گود میں اٹھایا اور سکون سے بیٹھی رہی۔

شاہ میر نے ایک نظر اس پہ ڈال کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

۔۔آپ کالج کے ٹائم تک تو کافی فرینک نیچر رہے ہیں۔اب کیا آپ نے کوئی اسپیشل دوائی کھانا شروع کر دی ہے۔۔۔مہر سے چپ نہ رہا گیا۔

شاہ میر کا لہجہ جواب دینے سے عاجز تھا۔

مہر نے پھر سرگوشی کی۔۔

فاطمہ کے ساتھ تو کافی باتیں کر رہے تھے۔۔

اب کی بار شاہ میر نے اسے خفگی سے دیکھا۔

اس کو ایڈمیشن اور کالج کے متعلق انفارمیشن دے رہا تھا۔ وہ زرار کا پھر بولا

بہن ہے وہ میری۔۔ شاہ میر میں صفائی دی۔

۔۔۔۔۔۔ہائے یہ دل کی خام خیالیاں۔۔۔۔۔

مہر اس بات پر بھی خوش ہوئی کہ وہ اسے صفائی دے رہا ہے کیوں کہ وہ ڈر رہا ہے کہ مبادا وہ اسے غلط ہی نہ سمجھ بیٹھتی۔

شاہ میر بھی خود تذبذب کا شکار تھا
میں اسے صفائی کیوں دے رہا ہوں۔۔؟

اسی کشمکش میں وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آئے۔
شاہ میر نے کپاس کھیت کے سامنے گاڑی روکی۔

مہر نے مسکرا کر ایک پلیٹ اس کی جانب بڑھائی۔

۔۔دیکھیں بارش کے بعد موسم کتنا سہانا ہے آئیں باہر بیٹھ کے کھاتے ہیں۔
شاہ میر کو لگا کے وہ اس سے اجازت مانگ رہی مگر اس نے جھٹ پٹ کار کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گئ۔

بے وقوف۔۔اس نے غصے سے کہا۔

وہ اس لڑکی کو تن تنہا سڑک پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔وہ خود بھی گاڑی سے باہر آیا۔

اب دونوں گاڑی سے ٹیک لگائے چاٹ کھا رہے تھے۔آنے جانے والے ایک بار ان کو رک کے دیکھتے تھے۔شاہ میر انتہائی برا محسوس کر رہا تھا۔
مگر مہر کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کا غصہ ذرا کم ہوا۔
۔۔آپ نے پہلے کبھی چاٹ کھائی ہے۔۔مہر نے پوچھا۔

ہاں رومان کے ساتھ۔۔۔کالج سے باہر ایک ریڑھی سے چاٹ، گول گپے، سموسیاں، بند کباب وغیرہ کھایا کرتے تھے۔
گول گپے تو شرط لگا کر کھاتے تھے۔۔وہ ٹرانس میں بولا

کون جیتا تھا پھر۔۔۔۔مہر نے دیکھا کہ وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گیا۔

کبھی میں اور کبھی رومان۔۔۔ایک بار میں جیت جاتا تو اگلی بار میں رومان کو جیتنے دیتا۔اسی طرح پھر اگلی بار رومان مجھے جیتنے دیتا۔۔وہ بات کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

وہ آپ کا بیسٹ فرینڈ ہے۔۔مہر پہلی بار اسے اس کے ذاتی باتیں شیئر کر رہی تھی

ہاں۔۔۔بس ایک وہی ہے میرا دوست۔مگر وہ چلا گیا مجھے اور پروفیسر صاحب کو چھوڑ کر۔۔اب وہ زخمی سا مسکرایا۔

وہ اس لڑکی سے بہت محبت کرتے ہوں گے۔مہر اس کو اداس دیکھ تے ہوئے بولی

میں ایسی بیس دن کی محبت کو نہیں مانتا جو آپ سے بیس سال پرانے رشتے بھی چھڑوا دے۔۔۔اب کی بار زخمی ہونے کی باری مہر کی تھی۔

مگر کئی دفعہ ہمارے بڑے نہ سمجھی میں سخت فیصلے کر جاتے ہیں۔۔اس نے پھر ایک امید باندھ کے بات کی۔

جتنی ہم نے ٹوٹل زندگی گزاری ہوتی ہے۔ ہمارے بڑھوں کے پاس اس سے دوگنا زیادہ تجربہ ہوتا ہے۔۔۔تجربہ کار لوگ کبھی غلط نہیں ہوتے

۔۔مگر انسان خطا کا پتلا ہے نہ میر۔۔مہر کے امید اب بھی قائم تھی

خطائیں جلد ہی عیاں ہوجاتی ہیں۔ ہمارے بڑوں کے فیصلے کے اوپر رب کا فیصلہ بھی موجود ہوتا ہے۔ جو کبھی غلط نہیں ہوتا۔

اب کی بار وہ چپ ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ اب اس نے جو در کھٹکھٹانا ہے دینے والا بہت سخی ہے مگر سوالی بھی مایا ناز ہونا چاہیے۔

شاہ میر نے اندھیرا بڑھتا ہوا دیکھ کر کہا

۔۔اب کیا رات یہاں رکنا ہے۔ جلدی چلو ورنہ میں چھوڑ کے چلا جاؤں گا۔۔

۔۔آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ ایک اکیلی لڑکی کو یوں چھوڑ جائیں۔۔ مہر مسکرا کر بولی۔

مجھے یہاں کھڑے ہونا بھی زیب نہیں دیتا۔ ویسے بھی آج کل میں وہ سب کر رہا ہوں جو مجھے زیب نہیں دیتا۔۔۔ڈرائیونگ گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

مہر کی زندگی کا یہ دن سب سے حسین دن تھا۔ وہ اس دن کے ایک ایک پل کو اپنے دل پر نقش کر چکی تھی۔

۔۔اللہ بھلا کرے ان کا جنہوں نے مجھے اردو میں کم نمبر دیے۔۔۔اس کی کلاس فیلوٹا پر کی بات سنتے تو شاید غش کھا کر گر جاتے۔

کچھ لوگوں کے پاس ہماری دھڑکنوں کے اتار چڑھاؤ کی کنجیاں ہوتی ہیں وہ چاہیں تو ہماری خوشیوں پر قفل لگا دیں۔ وہ ہمارے اداس لمحوں کو اک نظر میں معطر کر دیں۔
مگر یہ سب صرف اور صرف ہماری ذات پر منحصر ہے، یہ فیصلہ سراسر ہمارا ہوتا ہے کہ ہم نے وہ کنجی کس طرح کے ہاتھ پر رکھنی ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔

شاہ میر گھر پہنچا تو بی جی نے کھانا اس کے آگے ٹیبل پر رکھا۔

۔۔بیٹا کیسا ہوا مہر کا پرچہ؟۔۔۔مہر کے نام پر شاہ میر کی آنکھوں میں اک چمک ارسے جاگی۔

۔۔پتہ نہیں کہ تو رہی تھی کہ اچھا ہو گیا نتیجہ آنے پر ہی پتا لگے گا کیا کارنامہ کر کے آئی ہے۔

اللہ کامیاب کرے اسے بہت پیاری بچی ہے۔ دونوں گھروں کی رونق۔۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو وہ آج زین کی۔۔۔بی جان بولتے بولتے رک گئیں۔

شاہ میر کا منہ میں نوالہ رکھتا ہاتھ رک گیا۔کیا مہر اور زین کیلیئے بھی کوئی بڑوں نے فیصلہ کر رکھا تھا۔۔شاہ میر پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

نہیں بیٹا فیصلہ تو کوئی نہیں ہوا تھا مگر پیر بشارت سائیں سے غرض سے گاؤں آئے تھے۔ بڑی سرکار نے ذلیخہ بی بی سے کہا تھا کہ وہ ان کی دونوں بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں بنانا چاہتی ہیں۔۔ مگر وقت کی کرنی دیکھو۔۔
بی جان اداس تھیں۔

۔۔بی جان اگر میں ایسے نہ کرتا تو ایمان اور میرا بھائی کبھی خوش نہ رہ پاتے۔۔۔وہ بی جان کو حیرت کی بھٹی میں جھونک کر چلتا گیا۔۔۔۔

بڑی سرکار شاہ میر کی آواز پر اپنے کمرے سے نکلی تھی اور ڈائننگ ہال کی طرف بڑھتے قدم رک گئے۔ شاہ میر کی بات ان کے سر پہ تھوڑے کی طرح لگی تھی۔

۔۔مجھے یقین تھا کہ میری تربیت کبھی اسے باغی نہیں ہونے دیتی۔ میرے بیٹے نے اپنی زندگی اندھیر کر کے دوسروں کی زندگی سہل کر دی۔۔۔ آباد رہو خوش رہو۔

بڑی سرکار کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وہ آنسو بیٹے کی اندھیر زندگی کے تھے یا پھر اپنی تربیت پر مان کے۔۔!

۔۔۔۔۔۔۔

شاہ میر کمرے میں پہنچا چارجنگ سے موبائل ہٹایا مہر کی طرف سے کیا جانے والا میسج موبائل سکرین پر رقصاں تھا۔

Thanksfortoday.Todayistheproudestdayofmylife..

میسج کے ساتھ دل والا ایموجی دیکھ کر شاہ میر زرا سا مسکرایا۔

ijusthelpedaunt.Don'tworry,focusonthe preparationofthenextpaper...

مہر میسج پڑھتے ہی بولی۔

سڑیل کہیں کا چچی کی ہیلپ کی سیدھی طرح کہہ دیتا تو کیا جاتا۔
کہ مہر میں تمہارے لیئے ہمیشہ حاضر ہوں۔۔۔وہ منہ بصورتی کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔'

میسج کا ریپلائی کر کے شاہ میر نے ایک کتاب اٹھائی اور خطبہ کی تیاری کرنے لگا۔

جمعہ کے دن کا شاہ میر کے ساتھ ساتھ اب مہر کو بے صبری سے انتظار ہوتا تھا۔

وہ ہلکی میٹھی دھوپ میں حویلی کی چھت پر بیٹھ کر شاہ میر کے کہے جانے والے ایک ایک حرف کو باصدقِ یقین اپنے اندر اتارتی۔

مہر کچھ دنوں سے نماز کی پابندی کی کوشش کر رہی تھی البتہ عشاء اس سے اب بھی چھوٹ جاتی۔
وہ فجر کی نماز کے بعد سکیچ بک اٹھائے حویلی کی چھت پر آن بیٹھی۔

گاؤں میں صبح کا منظر جنت کی عکاسی کرتا ہے۔ پرندے حمد و ثنا میں ہمہ تن گوش ہوتے ہیں۔ ٹھنڈی ہوا رب کائنات کی کریمی کی داستان سناتی ہے۔ سورج کی مخمور کرنیں ربِ ذوالجلال کا خوبصورت پیغام دیتی ہیں۔۔۔

اور آپ دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجیۓ۔ بے" شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (سورہ ھود ۱۱: ۱۱۴)

For more visit (exponovels.com)

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہر سکیچ بک پکڑے اسکیچ بنانے میں مصروف تھی۔ کچھ دیر کی مسافت کے بعد وہ ایک سکیچ مکمل کرنے میں کامیاب ٹھری تھی۔

شاہ میر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھنے بے جان سے صفحے پر ایک جاندار مجسمہ لگ رہا تھا۔۔

مہر نیلی پینسل سے مجسمہ کے نیچے کچھ لکھنے لگی۔

میرے حاکم، امیر، سلطان پیا۔۔۔

میں کنیز، میں خادم، میں غلام پیا۔۔۔

کر اک مجھے پہ آج احسان پیا۔۔۔۔

اپنی دید کی لگا کر چاہ مجھ کو۔۔۔

پھر لگا دے فتویٰ ہجر کا۔۔۔۔۔

میرا دل ہو آہو زار پیا۔۔۔۔۔

میں صدا کروں بن فقیر پیا۔۔۔۔۔

ڈال ذرا سا وصل میرے کشکول میں۔۔۔

لگ جائے کوئی کاری ضرب پھر کاسے پر۔۔۔۔

میری روح کا ماتم دیکھ پیا۔۔۔۔۔

میرے حاکم، امیر، سلطان پیا۔۔۔۔

میں کنیز، میں خادم، میں غلام پیا۔۔۔۔ صفا خالد

آج زلیخہ بی بی کا ارادہ تھا کہ مہر کو گھر گرہستی کی ٹریننگ دی جائے۔۔

اس لیے انہوں نے اس کو آج کچن میں گھسایا ہوا تھا۔ مہر کی حالت ابتر ہوئی جاتی تھی۔

۔۔ اتنے ملازم ہیں گھر میں پھر بھی آپ کو پتا نہیں کیا خوشی ملتی ہے مجھے آگ میں جھونک کے۔۔ مہر تپ کے بولی

لڑکیوں کو گھر داری کا ہر طرح کا کام آنا چاہیے۔ چاہے کرے یا نہ کریں۔ اور ملازم تو اللہ نے ہمیں نعمت میں دیے ہیں۔ اگر یہ نعمت کبھی نہ ملے تو۔۔

زلے خہ بی بی نے سات پروین کو کام کرتے دیکھ کر بولا۔۔ پروین نے لفظ نعمت پر بتیسی نکالی۔

ہاں آپ ہنسیں آپ کی جان چھوٹ گئی آج۔ سارے میری جان کے دشمن ہیں یہاں۔ اچھا بتائیں کیا بنانا ہے۔ بلکہ کیا خراب کروانا ہے مجھ سے۔ وہ اس پر ہنس کے بولی

اس کے ہسنے پر زلیخا بی بی نے ایک ناگوار نظر اسے دیکھ کر کہا۔۔۔۔ گاجر کا حلوہ

شاہ میر کو پسند ہے یہ حلوہ۔۔۔ مہر کے چہرے پر ایک رنگ آیا۔

پروین پہلے ہی گاجریں دھو کر کدوکش کر چکی تھی۔۔
اس نے گاجریں کڑاہی میں ڈال کر بھونا شروع کی۔۔۔

۔۔ مہر نے خوبصورت سفید کامدار فراک پہنے ہاتھ میں حلوے کا ڈونگا لیے شاہ میر کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

وہ آج دیکھنے سے ہی شاہ میر کے لیے خاص تیار ہوئی لگتی تھیں۔ بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا اوارہ لٹیں بار بار اس کے چہرے کا بوسہ لینے آجاتی۔۔۔

شاہ میر نے دروازہ کھول کر اسے دیکھا تو وہ سپٹپا گیا۔

مہر مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ شاہ میر حسین چہرے سے نظر نہ ہٹا پا رہا تھا۔

۔۔آپ کا فیورٹ کلر پہن کر آئی ہوں امیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہر نے شرما کر کہا۔

مجھے یقین ہے بلاشبہ یہ کلر صرف تمہارے لیے ہی بنا ہے۔ شاہ میر نے ایک ہاتھ سے اس کے بالوں پر آنے والی لٹ کو پیچھے کیا۔

۔۔آج آپ کیلیئے اپنے ہاتھوں سے کاجر کا حلوہ بنا کر لائی ہوں۔ مہر نے ڈونگے سے ڈھکن ہٹا کر اسے دکھایا۔

مجھے یقین ہے یہ تمہاری محبت کے ذائقے سے بھرپور ہوگا۔۔شاہ میر اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ۔۔شاہ میر نے شرماتی لجاتی مہر سے کہا

اس نے انگلیوں کی پوروں سے تھوڑا سا حلوہ اٹھایا اور شاہ میر کے ہونٹوں تک اپنی انگلیاں بڑھائیں۔۔۔۔

اچانک مہر کی چیخ نکلی اس کا بازو چمچ ہلاتے ہوئے گرم کڑاہی کو چھوا تھا۔

اس کے خواب کا محل بھی اس کے بازو کے ساتھ چل گیا تھا۔وہ چیختی ہوئی حقیقت کی دنیا میں واپس آئیں

پاس ہی کھڑی پروین ہس دی۔

مہر پانی کی طرف بھاگی۔سنک سے ٹوٹی چلا کر اپنا بازو پانی کے نیچے کیا۔

اااااااف شاہ میر ااااااف۔۔۔۔کسی دن میں ایسے ہی کھلی آنکھوں سے تمہارے خواب دیکھتی دیکھتی بری طرح اپنا نقصان کر بیٹھوں گی۔۔۔اور تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا اور ایک عشق زادی تم پہ قربان ہو چکی ہوگی۔

"مانا کے تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے تجھے خبر ہونے تک"

گورے چٹے بازو پر سرخ نشان پڑ گیا تھا۔۔اس سے پہلے کہ وہ نشان کا ماتم کرنے بیٹھی فون پر گھنٹی بجی۔
ایمان کا نام دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی آئی۔۔
ایماں نے اسے جانے کیا بتایا تھا وہ اتنی زور سے چیخی کہ حویلی میں موجود تمام ملازموں کو لگا کوئی بم گر گیا ہے۔

زلیخہ بی بی بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئیں۔

ککککیا ہوا۔۔۔ان کا سانس پھولا ہوا تھا

امی وہ ایمان۔۔۔مہر سے لفظ پورے نہیں بن پا رہے تھے۔
یا اللہ خیر کیا ہوا میری بچی کو۔۔زلیخہ بیبی گھبرا کے ہاتھ دل تک لے گئی۔
امی آپ نانوں بننے والی ہیں۔۔مہر نے خوشی سے اچھلتے ہوئے بتایا۔

۔۔کیا سچ میں یا اللہ تیرا شکر ہے۔۔زلیخہ بی بی دعا کی طرح ہاتھ اٹھائے۔

پھر ان کو مہر کی چیخیں یاد آئی۔۔اچانک ان کا ہاتھ جوتے تک گیا۔
مہر ان کے ہاتھ کا اشارہ سمجھتی ہوئی وہاں سے بھاگ نکلی مگر ماں کی فلائنگ چپل نے اس کا تعاقب نہیں چھوڑا تھا۔

۔۔کسی دن مجھ سے دل کا دورہ پڑوائے گی یہ لڑکی۔۔زلیخہ بی بی نے غصے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا مگر وہ اندر سے آج بہت خوش تھیں۔کیونکہ اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

گاجر کا حلوہ تیار ہو چکا تھا۔ بنایا تو پروین نے تھا۔ مہر نے تو بس سپر وائز کیا تھا مگر پھر بھی وہ اس حلوے پر پوری ملکیت ظاہر کر رہی تھی۔

مہر فریش ہو کر باہر آئی اور کچن کی طرف چل دی۔ فریج سے حلوہ نکال کر ایک پلیٹ کے دامن پہ نفاست سے سجایا۔
۔۔ سڑیل خوش ہو جائے گا آج۔۔ پھر آ کے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کا سکیچ بناؤں گی۔۔ مہر اپنی دنیا میں گم تھی جب زلیخہ بی بی کی آواز آئی

مہر آو میرے ساتھ تمہاری تائی سرکار کو بھی مبارک باد دے آئیں دادی بننے کی۔۔

۔۔ اماں آپ کچھوے کی طرح تین دن میں ساتھ والے گھر تک پہنچیں گی۔ میں تین سیکنڈ میں چھت سے وہاں پہنچ جاؤں گی۔ آپ پروین کے ساتھ جائیں میں عصر پڑھ کے آتی ہوں۔۔ مہر نے کہا۔

خیریت ہے آج کل تم بہت نمازی ہوتی جا رہی ہو۔۔۔ ماں کی جانچتی نظریں خود پر پا کر گھبرائی پھر بولی

۔۔یہی تو ہمارا المیہ ہے کہ جب کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اس کا جینا حرام کیا ہوتا ہے کہ مسلمان نہیں ہو۔۔ جب کوئی نماز پڑھنا شروع کرتا ہے تو اسے ایسے دیکھتے ہیں جیسے کوئی ایلین نماز پڑھنے مریخ سے آگیا ہو۔۔

تم نے تو قسم کھائی ہوئی ہے کسی بات کا سیدھا جواب نہ دینے کی۔ خیر میں جا رہی ہوں آتی رہنا جب دل کیا۔۔ زلیخہ بی بی کے جانے کے بعد اس نے حلوے والی پلیٹ پر چاندی کے ورق سے سجائے اور دوبارہ فریج میں رکھ دی۔

عصر پڑھ کے وہ دوبارہ کچن میں آئی پلیٹ اٹھائی اور چھت کی طرف چل دی۔

شاہ میر کے دروازے پر دستک دی مگر وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ مہر نے دروازہ کھول کے تصدیق کی اور اندر بڑھ گئی

اس نے پلیٹ کو شاہ میر کے فوٹو فریم کے ساتھ رکھا۔ نوٹ پیڈ ڈھونڈنے لگی مگر اسے کوئی کاغذ نہیں ملا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے ٹشو باکس میں سے ایک ٹشو نکالا اور پینسل ڈھونڈ کر اس پر کچھ تحریر کیا۔۔

۔ میرے خالہ اور آپ کے چچا بلکہ نہیں تایا بننے کی خوشی میں۔۔۔ اسمائلی ایموجی بنا کر ٹشو کے ایک کونے کو پلیٹ کے نیچے گھسا دیا۔

اس نے شاہ میر کے عطر کو اپنی شہادت کی انگلی پر رگڑا اور شہادت کی انگلی اپنے دل تک لے گئی۔
اس کا وجود اب شاہ میر کے وجود سے اٹھنے والی خوشبو کی طرح مہک رہا تھا۔

"مینوں ہیر ہیر نہ آکھو کڑیو میں تے رانجھا ہوئی"

کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آئی زینے اتر کر ڈرائنگ ہال کی طرف بڑھ گئی۔

تائی سرکار اسے دیکھ کر خوش ہوئی مہر نے جھک کے ان سے پیار لیا۔ اور دادی بننے کی مبارک باد دی۔

زینب اور حسن کہاں ہیں۔ بی جان کو دیکھ کر پوچھا جو ٹیبل پر مٹھائی رکھ رہی تھیں۔

وہ شاہ میر کے ساتھ باہر لان میں ہیں۔ بی جان نے جواب دیا۔

وہ اب بھی ان کو بلاناغہ پڑھا رہی تھی۔

شاہ میر کے نام پہ اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ لان میں آ گئی۔

شامیر زینب اور حسن کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ وہ بھاگ بھاگ کر فٹ بال پہ کک لگاتا۔ اور مہر کو وہ کک اپنے دل پر لگتی محسوس ہو رہی تھی۔

حسن نے زور سے کک لگائی اور فٹبال زینب کو جا لگا۔

زینب جو مہر کو دیکھ کر اسے بھی کھیلنے کا اشارہ کر رہی تھی زمین پر گر گئی اور رونے لگی۔۔

For more visit (exponovels.com)

مہر اور شاہ میر دونوں بھاگ کر اس کی طرف آئے مہر چونکہ اس کے قریب تھی وہ اس کے پاس پہلے پہنچی۔ اس نے زینب کو باہوں میں اٹھا لیا۔ شاہ میر اس کے گھٹنے دیکھنے لگا کہ کہیں اس کو چوٹ تو نہیں آئی۔

زینب مسلسل روئے جا رہی تھی۔

شاہ میر نے اس کو مہر سے لے کر خود اٹھا لیا۔

ایسا کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ذرا سا مہر کے کندھے کو چھوا۔ مہر کو اپنے کندھے پر کرنٹ محسوس ہوا۔

اتنے عرصے میں پہلی بار شاہ میر کا لمس ملا تھا چاہے ذرا سا ہی تھا۔

شامیر زینب کو گود میں بٹھائے پاس پڑی کرسی پر بیٹھا۔ حسن بہن کے رونے کی آواز سے سہم گیا تھا۔ مہر اس کے پاس آئی، اس کی گال پر پیار کیا۔

۔۔۔ کیا ہوا بیٹا آپ ایسے کیوں کھڑے ہو۔ کوئی بات نہیں آپ نے کونسا جان بوجھ کے مارا تھا۔ دیکھو وہ چپ کر گئی ہے۔۔۔ مہر حسن کے انگلی پکڑے شاہ میر کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

شاہ میر اسے باتوں میں الجھا رہا تھا۔

بریو کون ہے؟ چاچو کے زینب۔۔۔اچھا بتاؤ زیادہ

زینب۔۔۔جھٹ سے بولی۔شاہ میر مسکرایا۔

اور جو بریو ہوتے ہیں وہ کیا کرتے ہیں؟

زینب خاموش رہی۔مہر نے حسن کے کان میں سرگوشی کی۔

جو بریو ہوتے ہیں وہ روتے نہیں brave حسن جھٹ سے بولا
مہر اور شاہ میر دونوں مسکرا دیے۔شاہ میر نے آگے بڑھ کر حسن کے گال کو چوما۔

اچھا مجھے دکھاؤ تم دونوں کیا پڑھتے ہو۔۔شاہ میر بولا

For more visit (exponovels.com)

زینب جلدی سے اس کو پارٹس آف باڈی سنانے لگی۔
مہر نے حسن کہ گال پہ اپنے ہونٹ رکھے۔ جہاں شاہ میر نے اسے چوما تھا۔ شاہ میر اس کی یہ حرکت دیکھ چکا تھا۔ مگر ہمیشہ کی طرح نظرانداز کر گیا۔

مہر کی چھیکنے پر اس نے پھر سے مہر کو دیکھا۔ شاہ میر نے دل ہی دل میں چھینک کا جواب دیا۔
مہر کو کل سے کچھ زکام فیل ہو رہا تھا۔ وہ کچھ تھکی سی لگ رہی تھی۔

زلیخہ بی بی اور سکینہ بی بی ان کے پاس آ رہی تھیں۔ شاہ میر ان کو آتا دیکھ کے اٹھ کے ان کے پاس گیا۔ تاکہ بڑی سرکار کا ہاتھ پکڑ کر وہ کرسی پر بٹھا سکے۔ ان کے گھٹنوں میں اکثر درد رہتا تھا۔

۔۔ کل ہم سب ایمان اور زین سے ملنے شہر جائیں گے۔ ان کے ہاں خوشخبری ہے۔۔۔
بڑی سرکار نے بتایا۔
شاہ میر نے بڑی سرکار اور چچی سرکار کے ہاتھ چوم کے مبارک باد دی۔

وہ تینوں چلتے چلتے مہر اور بچوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔

۔۔مہر کا کل پرچہ ہے تم صبح وقت پہ مہر کو ساتھ لے جانا ہم سب بعد میں ڈرائیور کے ساتھ آئیں گے۔ زمان کو بھی بلا لینا۔ سارا خاندان کل ادھر جمع ہو گا۔ زمان کو بھی بھائی کی خوشی میں ہونا چاہیے۔۔۔ بڑی سرکار میں شاہ میر کو ہدایات دیں۔

مہر کا دل کیا کہ آگے بڑھ کر بڑی سرکار کا ماتھا چوم لے۔

۔۔ٹھیک ہے کل سات بجے تیار رہنا۔ شاہ میر مہر سے مخاطب ہوا۔

مہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

مہر اب اپنی خراب طبیعت بھول چکی تھی۔ وہ اس دن سے یہی تو دعا کر رہی تھی کہ اگلے پیپر میں بھی شاہ میر اس کے ساتھ جائے۔

۔۔۔۔۔۔

شاہ میر جیسے ہی کمرے میں آیا اس نے اپنی شال تہہ کر کے کرسی کی ٹیک پر رکھی۔ کلائی سے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہا تھا جب اس کی نظر پلیٹ پر پڑی۔ ایک پلیٹ پہ دوسری پلیٹ کو رکھ کے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

اس نے حیرت سے پلیٹ اٹھائی۔ پلیٹ کے نیچے پڑے ٹشو پر نظر گئی۔
تحریر پڑھ کر اس کی مسکراہٹ نمایاں ہوئی۔

بے وقوف لڑکی۔۔۔!وہ دھیرے سے بولا۔

اس خاندان کی روایات کے مطابق جوان لڑکیوں کے سامنے ایسی باتیں کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ رسومات سے فرار لڑکی اس کو تایا بننے کی مبارکباد دے رہی تھی۔

بڑی سرکار تسبیح کے منکوں کو دائیں بائیں کرتیں کسی سوچ میں گم تھی۔ پیر سرکار ان کو گم سم دیکھ کر بولے۔

۔۔آپ تو اس طرح دنیا معافیہا اسے بیگانہ ہو رہی ہیں جیسے پہلی بار دادی بن رہی ہوں۔

۔۔خوش تو میں واقعی میں بہت ہوں مگر پریشان بھی ہوں۔۔بڑی سرکار نے کہا۔

کیوں ایسا کیا ہو گیا۔پیر صاحب اپنی جناح کیپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولے۔

۔۔مجھے زمان کی بہت فکر رہتی ہے اس نے اپنے آپ کو بہت مصروف کر لیا ہے لیکن مجھے اس کی تنہائی نظر آتی ہے۔بچوں پر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دیتا۔سوچا تھا ایمان اپنی ہے آئے گی تو بچوں کو سنبھال لے گی۔مگر اسے بھی ذین اپنے ساتھ لے گیا۔۔۔بڑی سرکار اداس تھیں۔

۔

کتنی بار تو اسے کہا ہے شادی کا کتنے رشتوں کو اس نے منع کیا اب جانتی تو ہیں۔پھر بھی پریشان ہیں۔

یہی تو پریشانی ہے ایک کو شادی کی اجازت ہے وہ مانتا نہیں۔ اور دوسرے کو آپ نے اپنی انا میں قید کر دیا ہے۔۔۔ بڑی سرکار شامیر کے لیے بھی بہت پریشان تھیں۔

۔۔ میں نے آپ سے بہت دفعہ کہا ہے کہ اس خبیث کی میرے سامنے بات مت کیا کریں۔ میں مجبور ہوں بابا سرکار اسے گدی نشین کہہ گئے تھے۔ ورنہ وہ اس کا بھی حقدار نہیں۔۔ پیر صاحب کا غصہ ابھی تک کم نہیں ہوا تھا۔

مگر آپ حقیقت سے لاعلم ہیں وہ۔۔۔اس سے پہلے بڑی سرکار کچھ اور کہتیں پیر صاحب بولے۔

۔۔ بھول گیں آپ کس طرح رومان کے ساتھ شہر بھر میں آوارہ گردی کیا کرتا تھا۔ اور یہاں اُن دونوں نے کیسے کیسے چاند چڑھائے تھے۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ مدرسے جا کر کچھ عقل آئی اسے ورنہ ایسی اولاد خدا کسی کو نہ دے۔۔۔

۔۔آپ جانتے ہیں کہ وہ بڑے پیر صاحب کا لاڈلا تھا انہوں نے اسے بگاڑ رکھا تھا مگر آپ دیکھیں کہ اس نے اتنے سالوں میں آپ کے سامنے ایک بار بھی آنکھ اٹھا کر بات نہیں کی۔۔ بڑی سرکار اپنے بیٹے کی طرف سے صفائی دی۔

۔۔آنکھ اٹھا کر نہیں بات کرتا مگر سیدھا مقابل آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ کوشش کریں کہ آئندہ میرے سامنے اس کا نام نہ لیں۔ وہ اِس سزا سے بھی آگے کی سزا کا حقدار تھا۔ مگر میں گاؤں کا اور گدی کا سوچ کہ چپ ہوں۔

بڑی سرکار آنکھوں میں بے تحاشہ آنسو لیے وہیں بیٹھی رہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہر فجر کے بعد اپنی وارڈروب کھولے کھڑی تھی۔ اس نے فروزی اور وائٹ کنٹراس کی ایک شارٹ فراک نکالی۔ ساتھ وائٹ سینڈل۔ چھوٹے سفید موتیوں سے بنی ایر رنگس اک نازک سی انگوٹھی جس میں ایک سفید پتھر لگا تھا۔

اسے جب سے پتہ چلا تھا کہ شاہ میر کو سفید رنگ پسند ہے اس کے وارڈروب میں سفید کپڑوں اور جیولری باکس میں سفید گہنوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ ایسے خوش ہو رہی تھی جیسے کسی غریب کی لاٹری نکل آئی ہو۔

شاہ میر مسجد سے تقریباً ساڑھے چھ گھر آیا اس نے کبڈ کھولی اور سفید کاٹن کے سوٹ کا انتخاب کیا۔ کالی شال اور کالے کھیڑی چپل نکال کر سامنے رکھی۔

وہ جلدی سے واش روم میں گھسا ٹھیک دس منٹ بعد وہ وہ ناشتے کی ٹیبل پر تھا۔
مہر نے اپنی تیاری 6 بجے ہی شروع کر دی تھی سات بجے میں دس منٹ باقی تھے مگر وہ ابھی تک اپنے بالوں کو ہی سجا سنبھال رہی تھی۔

شاہ میر اس کے گیٹ کے آگے پچھلے دس منٹ سے کھڑا ہارن پہ ہارن پیٹ رہا تھا۔

وہ ہوا کے گھوڑے کی طرح اڑتی ہوئی گاڑی تک پہنچی۔۔ ایک ہاتھ میں بیگ اسی ہاتھ میں کچھ کتابیں گھڑی موبائل فون ہینڈ فری اور دوسرے ہاتھ میں چائے کی تھرموس بوتل پکڑے گاڑی میں بیٹھی۔

شاہ میر حیرت کا سمندر بنے اسے دیکھ رہا تھا۔

۔۔ پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئے ہیں جلدی کریں۔ مہر کو وہ سست لگا۔

۔ہاں میں ہی الو کا پٹھا ہو جو لیٹ آیا آپ تو پچھلے ایک گھنٹے سے تیار کھڑیں تھیں۔۔۔ شاہ میر کی زبان نے نہیں بلکہ دل نے شکایت کی تھی۔ اس نے زن سے گاڑی بھگائی۔ جیسے کسی ٹرین کہ مقابلے میں لگائی ہو۔

گاڑی گاؤں کی حدود سے باہر نکل رہی تھی۔
مدمقابل دونوں خاموش تھے کیونکہ مہر میڈم اپنے بیگ میں چیزیں پھینکنے میں مصروف تھیں۔ کبھی کبھی چائے کا سپ لے لیتی۔

مہر کو چھینک آئی۔

مہر نے ہاتھ اپنے بیگ میں گھسایا تاکہ کوئی ٹشو ڈھونڈ سکے۔ مگر وہ بیگ کم عمرو عیار کی زنبیل زیادہ تھا۔ اس میں ہر ضرورت کی چیز موجود تھی۔ مگر وقت پڑنے پر ملتی ذرا مشکل سے تھی۔

شاہ میر نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔
مہر نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ رومال کو پکڑا۔
پھر اچانک سے گاڑی کی بریک لگی۔ مہر کا سر گاڑی کے بونٹ پر لگتے لگتے بچا۔

کوئی مشکل سے تین سال کا بچہ کھیلتے ہوئے گاڑی کے آگے آگیا تھا۔ بچے کا خوف سے رونا شروع ہو چکا تھا اس کی چیخ و پکار پر اس کا والد اور ساتھ ایک دو اور مرد گاڑی کی طرف آئے۔
مہر نے گھبرا کے شامیر کو دیکھا۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔ باہر مت آنا میں آتا ہوں۔۔۔ شاہ میر نے مہر سے کہا اس سے پہلے کہ وہ بھی اس کے نقشِ قدم پر گاڑی سے باہر نکل آتی۔

اور مہر کا حقیقتاً ارادہ بھی یہی تھا۔ وہ شاید اب مہر کو سمجھنے لگا تھا۔

شاہ میر گاڑی سے اترا وہاں موجود آدمیوں سے کچھ بات کی۔ ان میں سے ایک آدمی نے جو شاید بچے کا باپ تھا شاہ میر کے ہاتھ پکڑ کر چومے۔ اور عقیدت سے آنکھوں پہ لگائے۔

مہر شاہ میر کا رومال اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی کیونکہ اس رومال سے اٹھنے والی مسحور کن خوشبو کو رومال کی صورت ہمیشہ اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے بیگ سے ٹشو نکال رہی تھی اور ساتھ باہر لگے تماشے کو بھی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
شاہ میر واپس گاڑی میں آیا اور خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ مہر نہ پوچھتی تو وہ شاید اسے کوئی کچھ نہ بتاتا۔

بچے کو چوٹ تو نہیں آئی۔۔؟

۔۔نہیں وہ بس ڈر کے رو رہا تھا۔۔

وہ آدمی آپ کے ہاتھ کیوں چوم رہا تھا؟۔۔مہر نے پھر پوچھا۔

۔۔کیونکہ میں نے اس کے بچے کی جان بچائی۔اور ویسے بھی ہمارا پرانا مرید ہے۔۔۔۔شاہ میر نے اسے بنا دیکھے جواب دیا۔

آپ کو نہیں لگتا کہ مرید اپنی عقیدت میں کبھی کبھی شرک کر بیٹھتے ہیں۔۔۔مہر اکیسویں صدی کی پڑھی لکھی لڑکی تھی۔اور اوپر سے اس کی پرورش بھی شہر میں ہی ہوئی تھی۔اسے گاؤں کی رسومات جاہلانہ لگتی تھیں۔

سب کا اپنا اپنا نظریہ ہوتا ہے۔۔شامیر جیسے بات ختم کرنا چاہ رہا ہو۔

۔۔آپ تو پڑھے لکھے ہیں آپ ان کو سمجھاتے کیوں نہیں۔ عقیدت اپنی جگہ لیکن دینے والی ذات بس رب کی ہے۔۔۔ مہر سے چپ نہیں رہا جا رہا تھا۔

۔۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا نام سنا ہے۔۔شاہ میر نے سوال کیا

۔۔ہاں سنا ہے امی بچپن میں ان کا قصہ سنایا کرتی تھیں۔ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے قافلے کے ساتھ بغداد جا رہے تھے تو راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ تو انہوں نے اپنی قمیض کے کے دامن میں سلائی ہوئے سِکوں کے بارے میں خود ہی ڈاکوؤں کو کو بتا دیا تھا اور ڈاکوان کی سچائی سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔۔۔ وہی ہیں نا۔۔۔ مہر نے شامیر کو دیکھا جیسے تصدیق کرنا چاہ رہی ہو

ہاں یہ وہی حضرت ہیں۔
شاہ میر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور ساتھ گاڑی کا گیر بدلا۔ گاڑی اب مین سڑک پر رواں دواں تھی۔ شاہ میر نے ایک دو گاڑیوں کو اوورٹیک کیا۔

پر بے تحاشہ فخر کرے۔ IQ اتنے میں مہر کو موقع ملا کہ وہ اپنے

یہ کہانی تیسری چوتھی کلاس کے بچے کو بھی آتی ہے اردو کے نصاب میں یہ شامل ہوتی ہے۔۔۔ مہر جو حاضر جوابی پر خوش ہو رہی تھی۔ شاہ میر کے بولنے پر ایک دم سنجیدہ ہوئی۔

:۔۔آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سر الاسرار صفحہ نمبر ۲۰۴ میں لکھا ہے کہ
"مرشد کی تلاش اس لیے ضروری ہے کہ اس کی تربیت میں رہ کر انسان ایسی روح حاصل کرلے جو مردہ دل کو زندہ کر دے اور مرید اپنے رب کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے"۔
مگر کامل مرشد اور متقی مرید بننا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ شاہ میر خاموش ہوا۔

۔۔کیسے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرشد کامل ہے اور مرید متقی۔؟۔ مہر نے پوچھا

۔۔مرشد صاحب تصرف فنا فاللہ بقا باللہ ہوتا ہے

وہ نفس کو مار کے مردہ قلب کو زندہ کرتا ہے۔
دنیاوی حاجات سے پاک ہوتا ہے۔ مرشد کسی رنگریز کی طرح ظاہری و باطنی نجاست سے جسم کو دور کرتا ہے۔ اپنے مریدوں کے دلوں کو نور اللہ سے منور کرتا ہے۔
مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "مرید کا بھی اپنے تقوی، اپنی عقیدت، اپنی طہارت میں کامل ہونا ضروری ہے"۔
مرشد اور مرید کا تعلق روح اور جسم جیسا ہوتا ہے۔ مرشد اگر مرید سے رابطہ ختم کر دے۔ تو مرید کی روح مردہ ہو جاتی ہے۔ اور اگر مرشد مرید سے ناراض ہو جائے تو مرید اپنے دونوں جہانوں کے برباد ہونے کے خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے مرشد کو خوش رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔۔۔
شاہ میر آج بالکل کسی پیر کی طرح لگ رہا تھا جو اپنے مرید کو پیری مریدی کی خصوصیات سمجھا رہے تھے۔

۔۔ مگر آج کل تو ہر جگہ کوئی نہ کوئی ولی، پیر بنا بیٹھا ہوتا ہے۔ کیسے پتہ چلے کہ یہ نقلی ہے یا اصلی۔۔ مہر نے ایک اور سوال کیا

۔۔دنیا میں جو بھی ولی، پیر، مرشد ہو وہ کسی نہ کسی مراتب پر موجود ضرور ہوتے ہیں۔ اور جو ولی پیرِ کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے نقش قدم پر ہوتا ہے۔ وہی برحق اور امام الوقت ہوتا ہے۔ وہ اپنے مرید کو آیات قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ایک انچ بھی ہٹنے نہیں دیتا۔ ان کی ہر بات آیتِ قرآن پاک کے حوالے سنت نبوی کے متعلق ہوتی ہے۔
کامل پیر کو دنیاوی حاجات دھن دولت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے مریدوں کو معرفت الٰہی سے جوڑے رکھتے ہیں بس۔۔۔

مہر تنکو اپنا دل بہت ہلکا ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا گو تھی۔

۔۔یا الٰہی تیرا شکر ہے کہ یہ انسان کامل مرشد ہے۔ کیونکہ اس نے آج تک مجھ سے جو بھی بات کی ہے وہ کسی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آیتِ قرآنی کے حوالے سے ہی بتائی ہے۔ یا الٰہی تیرا شکر ہے تونے مجھے کسی ایسی شخص کی محبت میں نہیں ڈالا جو صرف گدی نشینی اور اپنے مریدوں پہ راج کرنے والا ہے۔۔۔ یا الٰہی میں تو کبھی تیرے اتنا قریب نہیں رہی تھی۔ پھر بھی تونے میرے دل میں اک متقی انسان کے لئے محبت

جگائی۔ اےَ ربِ کائنات مجھے اس شخص کے قابل بنا دے۔ اس شخص کے دل میں میرے لیئے ذرا سی محبت ڈال دے۔۔۔۔ مہر کے خالص جذبے اسے رب کے قریب تر کرتے جا رہے تھے۔

37

مہر اس کے سفید کپڑوں کو اپنے کپڑوں کے ساتھ ہم رنگ ہونے پر خوش ہو رہی تھی۔

بلیک شال میں ہلکی سے بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ دنیا کے رنگ و بو سے بیگانہ مہر کے لیے قطب ستارہ لگ رہا تھا۔ گھڑی کی ایجاد سے پہلے لوگ اس ستارے کے اتار چڑھاؤ سے وقت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ اس تارے نے بھی تو مہر کی گھڑیاں بدل کر اس کی زندگی روشن کر دی تھی۔ اس تارے کا سائبان خود مہر تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔

خواب آنکھیں، پاگل دل، سراب راہیں'
ہائے تیرا قسطوں میں مجھ کو محبت کرنا
صدا بلند ہوئی مزارِ عشق پر تو معجزہ دیکھیے

عشق زہے نصیب ہے اب گلہ کیا کرنا
جوک درجوک چلے آتے ہیں دیدار کرنے
'کوئ تم سے سیکھے محبت کا کاروبار کرنا
(صفا خالد)

پیپر کا وقت ختم ہوئے تقریبا چالیس منٹ گزر چکے تھے شاہ میر اسے تب سے کال کر رہا تھا۔ مگر وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔
شاہ میر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئۓ ہوئے تھے وہ بار بار سیکیورٹی گارڈ کو اندر بیجتا۔ گارڈ اس کے نام کے نقارے پیٹتا پر مہر بانو شاہ نام کی کوئ لڑکی ویٹنگ چیئرز کے احاطے میں موجود نہیں تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئ اور قدم اٹھاتا مہر ایک لڑکی کے ساتھ چلتی ہوئ اس کی گاڑی تک پہنچی۔ وہ لڑکی دیکھنے میں کافی ماڈرن لگ رہی تھی۔۔۔

مہر کمرہ جماعت سے نکل رہی تھی جب اسنے اپنے نام کی پکار سنی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اس کی کلاس فیلو مایا تھی۔

وہ اب بھی دکھنے میں ویسے ہی اسٹائلش اور خوبصورت تھی۔ بلیو جینز پہ شارٹ سی ریڈ ٹاپ پہنے بالوں کو لوز کرل دیے وہ نک سک سی تیار کھڑی تھی۔

مہر اس کو دیکھ کے خوش دلی سے مسکرائی۔

۔۔مایا تم تو پہلے سے اور بھی زیادہ خوبصورت ہوگی۔۔ مہر نے ہنس کے کہا

تم بھی بہت پیاری لگ رہی ہو۔۔ مایا اس کی شال کو دیکھ رہی تھی جو کندھوں پر اٹکی ہوئی تھی۔

D'nttellme کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے

مہر اس سوال پر ذرا شرمائی

۔۔ نہیں نہیں ابھی نہیں ہوئی۔۔ مہر نے بتایا

پھر کوئی انگیجمینٹ تولازمی ہوگئی ہے۔ ورنہ تم اور یہ شال۔۔۔ مہر کو لمبے لمبے دو پٹے اور رشوت لینا پسند نہ تھا وہ بس چھوٹا سا سکارف گلے میں پہنا کرتی تھی۔

۔۔ تم نے صحیح کہا یہ شال کسی اور کی خوشی کے لیے پہنی ہے۔ مگر ابھی انگیجمنٹ نہیں ہوئی ابھی۔۔ مہر شامیر کو سوچتے ہوئے بولی۔

اچھا وہ یقیناً تمہارے پیر خاندان کا ہی ہوگا۔ مایا نے پوچھا

جی وہ بڑے تایا سرکار کی بیٹے ہیں۔ مہر کا چہرہ اب بھی بلش کر رہا تھا۔ مہر کو آج اندازہ ہوا تھا کہ اپنی محبت کا ذکر کرنا کتنا خوبصورت امر ہے۔

اسے باتوں میں وقت کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ وہ جانتی تھی شامیر باہر ہی ہوگا اس نے مایا کو ساتھ لیا بھاگتی ہوئی نے گیٹ عبور کیا۔

شاہ میر نے جیسے ہی مہر کو دیکھا وہ فوراً گاڑی سے باہر نکلا۔

۔۔کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے نا اتنی دیر کیوں ہو گئ؟۔ شاہ میر دکھنے میں ہی پریشان لگ رہا تھا۔

سوری تھوڑی دیر ہو گئ یہ میری فرینڈ ہے مایا۔۔ مہر نے جلدی سے شاہ میر کا تعارف کروایا۔

ہمممم السلام علیکم۔۔شاہ میر سلامتی کے جواب کا انتظار کیۓ بغیر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

۔۔باتوں میں لگی رہی ہو گی۔ اور میں یہاں گھنٹے سے اُلو کی طرح بیٹھا ہوں۔۔۔

مہر تمہارا کزن واقع ہی بہت ہینڈسم ہے۔۔۔ مہر نے گھر کے مایا کو دیکھا۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔کیا تم لوگ مجھے اسٹاپ تک لفٹ دے دو گے۔ میں وہاں سے کیب لے لوں گی۔ یہاں سے کیب ملنا ذرا مشکل ہے۔

مایا کی نظریں شاہ میر کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔ مہر کو یہ حرکت قطعاً ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ فوراً سے بولی۔

۔۔نہیں نہیں ہمیں اس طرف نہیں جانا۔ ویسے بھی ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ آئی ہوپ تم مائینڈ نہیں کرو گی۔
اس نے فوراً سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور خدا حافظ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گی۔

شاہ میر کو ئی حرکت ذرا نہ گوار گزری۔ اس نے مہر کو ایک نظر دیکھا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

سوری میں ذرا لیٹ ہو گئی۔ وہ مجھے مایا مل گئی تھی نہ اس کی باتیں ہی نہیں ختم ہو رہی تھیں۔۔۔۔ شاہ میر کا موڈ دیکھنے میں ہی آف لگ رہا تھا۔ مہر کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ ابھی تو ابتدائے محبت ہے وہ ابھی سے اپنے محبوب کو ناراض کرنا افورڈ نہیں کر سکتی۔ اس لیے اسے منانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سوریییییییییییی۔۔۔ مہر کے لفظ سوری کو لمبا کر کے کہنے پر شاہ میر نے بس ہمم۔ پر اتفاق کیا۔
مہرا' ہمممم ' سے ایک بار پھر تپ گئی۔

پھر اس کی نظر اچانک گاڑی میں رکھی بکس پر گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے بکس اٹھائیں۔ دیکھنے میں کسی لاء سبجیکٹس کی ہیلپنگ بکس لگ رہی تھیں۔

۔۔یہ بکس۔۔۔۔۔۔ مہر نے سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے شامیر کو دیکھا۔ سمجھ تو ایک لمحے میں ہی گئی تھی کہ ان بکس کی حق دار کون ہے۔

ہاں! یہ فاطمہ نے منگوائی تھیں۔۔۔اب کی بار تو مہر کو طیش آ گیا تھا۔

۔۔آخر میں کس کس سے جان چھڑوا اسکی۔۔کبھی مایا تو کبھی یہ فاطمہ۔۔خیر مایا تو اب نہیں تنگ کرے گی۔ مگر اس فاطمہ کا کیا کروں۔۔۔مہر ٹھیک ٹھاک جیلس ہو رہی تھی۔

۔۔میرے لئے تو آج تک کچھ نہ خریدا نواب صاحب نے اور ان محترمہ کے لیے بکس خریدتے پھر رہیں۔ آخر کار میں بھی تو اسٹوڈنٹ ہوں بک شاپ گئے تھے تو میرے لیے بھی کوئی بک لے آتے کوئی۔ میں تو یاد ہی نہیں آئی ہوں گی اسے۔۔۔مہر دل ہی دل میں آنسو بہا رہی تھی۔

۔۔میں بھی چھوڑوں گی نہیں اسے۔ معاف نہیں کروں گی اس ناانصافی کا بدلہ نہ لیا نا تو میرا نام بھی مہر بانو شاہ نہیں۔۔
مہر اپنے دماغ میں سازشیں رچا رہی تھی۔ جب اس کی نظر بیکری پر پڑی۔ ان بکس سے پانچ گنا زیادہ خرچہ نہیں کروایا نا تو اپنا نام میں خود بدل دوں گی۔۔۔

۔۔رکیں روکیں وہ بیکری۔۔وہ چلانے کے انداز میں بول رہی تھی۔شاہ میر نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔

کیا ہوا۔۔۔؟شاہ میر کو اس کے چلانے کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔

۔۔مجھے بیکری سے زینب اور حسن کے لیے کچھ چیزیں لینی ہیں۔وہ ہر دفعہ مجھے کہتے ہیں جب بھی شہر آتی ہوں۔۔۔مہر نے زینب اور حسن کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائی۔

شاہ میر نے ایک ناگوار سی نظر اس پر ڈالی اور گاڑی ٹرن کر کے روڈ کے دوسری طرف بیکری تک لے گیا۔
دل میں تو پتا نہیں کون کون سے القابات سے نواز رہا تھا مگر منہ سے کچھ نہیں بولا۔

آپ مجھے لسٹ۔۔۔۔۔شاہ میر کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ وہ یہ جا اور وہ جا۔

اس لڑکی میں شاید کوئی جن ہے۔ مجال ہے اس کی کوئی خصلت انسانوں سے ملتی ہو۔ شاہ میر کی اسٹیرنگ پر گرفت مضبوط ہوئی اور پھر گاڑی سے اتر گیا۔

ظاہری بات ہے روایات میں جکڑا ہوا مرد تھا۔ تن تنہا کسی لڑکی کو کیسے چھوڑ دیتا۔ وہ لڑکی تو پھر اس کے گھر کی تھی اس کی عزت تھی۔

وہ جب اندر پہنچا تو وہاں رش کچھ معمول سے زیادہ تھا۔ وہ دروازے پر ایک منٹ کے لئے ٹھہرا اور مہر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

وہ کہیں کونے پر نصب ایک فریزر میں سے کچھ نکال رہی تھی۔

شاہ میر اس کے سر پر پہنچا۔ وہ فریزر میں سے چاکلیٹس نکالنے میں بزی تھی۔ 43 ڈبے تو اس کے ہاتھ میں پہلے سے ہی پکڑے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ اور خریدنے کا ارادہ بھی رکھتی تھی۔

پھر وہ سنیکس اسٹینڈ کی طرف بڑھی لیز سیلنٹی نمکو اور پتہ نہیں کیا کیا الم بالم خریدتی جا رہی تھی۔ شاہ میر کسی چابی دیے ہوئے کھلونے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

وہ لوگوں کو دھکے دیتی ایک سیکنڈ میں اپنی راہ بنا لیتی۔ شامیر کو اس تک پہنچنے کے لئے کم از کم دو منٹ لگتے۔

وہ حیرانی سے اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ سامان ہاتھوں کی استطاعت سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے زمین بوس ہو جاتا شاہ میر نے کچھ شاپروں کو اپنی گرفت میں لیا۔

ڈھیر ساری چیزیں اٹھائے کاؤنٹر کے طرف بڑھی۔

کیشیر بل بنانے لگا تو وہ ایک بار پھر چیخی۔

اووووو شٹٹٹٹٹ۔۔۔کیک تو لیا ہی نہیں۔

کاونٹر پر کھڑے کچھ لوگوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔۔ شاہ میر نے اکتا کے سر نفی میں ہلایا۔

۔۔کچھ نہیں ہو سکتا اس لڑکی کا۔

وہ کسی ایک کی بھی پرواہ کیے بغیر کیک والے فریزر تک گئ۔ سب سے پہلے اس نے فریزر میں سے چاکلیٹ کیک نکالا۔

شاہ میر پھر چابی دیا ہوا کھلونا بن کر اس کے پاس پہنچا۔
مہر نے ایک طائرانہ نگاہ کیک پر ڈالی۔ اور کیک شاہ میر کے طرف کیا۔

شاہ میر نے غصے سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔۔۔ میں اس کا کیا کروں؟

۔۔ ارے پکڑیں نہ۔۔۔ وہ دیکھیں ڈرائی کیک ایمان کو بہت پسند ہے۔۔۔ مہر نے فریزر کے کونے میں پڑے کیک کی طرف اشارہ کیا۔

شاہ میر نے کندھے اچکا کر کیک پکڑا۔ اس کے چہرے پر واضح لکھا تھا۔
کرو جو کرنا ہے۔۔۔۔

مہر اب چاکلیٹ کیک اور ڈرائی کیک کے ساتھ کاؤنٹر پر موجود تھی۔

پانچ ہزار نو سو تیس۔۔۔ کیشیر نے سلپ ان کے آگے کی۔

مہر ڈھیٹ بننے کی پوری ایکٹنگ کرتے ہوئے چیزیں پوری کرنے لگی۔۔۔
شاہ میر نے پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھے۔
کیشیر 70 روپے واپس کرنے لگا تم مہر پھر بولی۔۔
ان کی وہ ایک نیسلے واٹر بوٹل دیں دیں۔

شاہ میر کا بقایا پکڑنے کے لیے جو ہاتھ آگے بڑھا تھا وہیں رک گیا۔

مہر نے بوٹل اٹھائی اور کروفر سے دروازے کی طرف چل پڑی۔ شاہ میر اب کی بار خوب برہم ہوا
چاہوں ناچار شاپر اٹھائے اور اور بیکری سے باہر نکلا۔
اس نے شاپر پچھلی سیٹ پر پھینکے۔ جیسے کچرے کے ڈھیر پر کوئی غیر ضروری چیز پھینک رہا ہو۔

مہر بوتل منہ سے لگائے مزے سے پانی پینے میں مصروف تھی۔ اس کی نظریں پھر کتابوں تک گئ۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔اب آیا نہ مزا اور خرید کے دے دوسروں کو بکس۔۔۔

شاہ میر نے دھڑام سے گاڑی کا گیٹ بند کیا۔

شامیر اپنے جذبات کا اظہار کرنے والا انسان نہیں تھا۔ ورنہ آج مہر اس کے غصے سے نہ بچ پاتی۔
مہر نے رخ پیچھے کیا اور سارے شاپر اٹھا کے اپنی گود میں رکھے۔

شاپر کی آواز شاہ میر کے کانوں میں پھٹے ہوئے ڈھول کی طرح لگی۔ اس نے غصے سے گیر بدلا۔ مگر مجال ہے جو مہر کو پرواہ ہوئی ہو۔

وہ اب کچھ چیزیں نکال کر ایک شاپر میں علیحدہ کر رہی تھی۔۔ تسلی بخش کام کرنے کے بعد اس نے شامیر سے کہا؛

یہ میرے لیئے ہے یہ آپ یہی گاڑی میں رہنے دیں گاؤں جا کر لے لوں گی۔۔۔شاہ میر اب مزید ضبط نہیں کر سکتا تھا

۔۔مجھے یہاں سے پروفیسر صاحب کی طرف جانا ہے۔۔۔مہر مزید چڑ گئی۔

تو وہاں کیا فاطمہ گاڑی میں گھس کر یہ چیزیں کھا جائے گی۔۔

۔۔وہ ایسا کیوں کرے گی۔۔اسے جو چاہیے وہ خود لے سکتی ہے۔۔۔شاہ میر کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا جیسے کہ؛

۔۔کم ازکم فاطمہ اپنا غصہ نکالنے کے لیے دوسروں کی جیبوں پر حملہ نہیں کرتی۔۔پر وہ چپ رہا۔
مہر اب ناراض صورت بنا کر بیٹھ گئی۔

وہ جب گھر پہنچی تو ایمان کو خوش دلی سے ملی۔اسے مبارک باد دی۔

دیکھو میں اتنی بڑی خوشی پر تمہارے لیے تمہارا فیورٹ کیک بھی لائی ہوں۔

تم جلدی آجاتی۔ کیک رہنے دیتی۔ اماں سرکار بہت غصے میں ہیں۔

۔۔ تم فکر نہ کرو میں سنبھال لوں گی ان کو۔
زینب اور حسن مہر کی آواز سنتے ہی اس کی طرف بھاگے۔
شاہ میر گاڑی پارک کر کے اندر آیا۔

۔۔ دیکھو بچو میں تمہارے لیے کتنی مزے مزے کی چیزیں لائی ہوں۔ وہ سارا کریڈٹ خود وصول کر رہی تھی۔ جبکہ جیب ہلکی ہونے والا شخص اس کو گھوریوں سے نواز رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی ماں نے اس کی اچھی کلاس لگائی۔ وہ لوگ کب سے ان کا ویٹ کر رہے تھے۔ کھانا تک شروع نہیں کیا تھا۔

۔۔ زندگی میں پہلی دفعہ کیا بیکری گئی تھیں۔ نادیدوں کی طرح جو ہر چیز اٹھا لائی ہو۔۔

For more visit (exponovels.com)

شامیر اب کی بار دلچسپی سے اس کی رونی صورت دیکھ رہا تھا۔
سب کے سامنے ہونے والی بے عزتی پر مہر نے شا پر وہیں موجود صوفے پر پٹکے اور فریش ہونے کے لیئے باتھ روم کی طرف چلی گئ۔

وہ جو شامیر سے بدلہ لے رہی تھی۔ حقیقت میں اپنے آپ کو یہ احساس دلا رہی تھی کہ شاہ امیر پر اور اس کے پیسوں پر حق صرف اسی کا ہے۔

تمام پیر خاندان ڈائننگ ہال میں موجود کھانے سے انصاف فرما رہا تھا۔ کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا جا رہا تھا۔

اچانک ایمان کو وومٹ ہوئی۔۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ ذین بھی اس کے پیچھے کمرے تک گیا۔

مہر نے مسکرا کے سر اٹھا کر شاہ میر کو دیکھا۔ مگر وہ دنیا مافیہا سے بے گانہ بیٹھا تھا۔ پھر اس نے وہاں موجود تمام لوگوں کو باری باری دیکھا۔ وہ سب کھانے میں اس طرح مشغول تھے جیسے کوئی آسمان سے من و سلویٰ اتر آیا ہو۔
ظاہر سی بات ہے وہ پیر خاندان اپنے رسم و رواج کا پابند۔ شوہر سب کے سامنے بیوی سے مخاطب ہونے کی ہمت تک نہ کر پاتا تھا۔ اور یہاں ذین بھاگ کر بیوی کے پاس پہنچ گیا۔

مہر کے چہرے سے واضح ظاہر تھا کہ وہ اپنی ہنسی چھپا نہیں پا رہی۔ منہ کے عجیب و غریب زاویے بنا رہی تھی۔

شاہ میر اسے دیکھ کر منہ میں بڑبڑایا
! بیوقوف لڑکی۔۔۔

پیر شہاب الدین اور زمان کھانا کھانے کے فوراً ہی گاؤں کے لیے واپس نکل گئے الیکشن کے سلسلے میں گاؤں میں کچھ لوگ آ رہے تھے۔

For more visit (exponovels.com)

شاہ میر کو پروفیسر صاحب کی طرف جانا تھا وہ بھی چلا گیا۔ مہر کا دل کیا کہ وہ اسے روک لے یا پھر خود ساتھ چلے۔
دونوں صورتیں ہی ممکن نہیں تھیں۔ نا تو وہ سب کے سامنے اسے روک سکتی تھی۔ نا ساتھ جانے کا کہہ سکتی تھی۔

- - - - - - - -

اس کے جانے کے بعد وہ اپنا سا منہ لے کر زینب اور حسن کے ساتھ مصروف ہو گی۔

جب ذین کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

اماں سرکار آپ بابا سرکار کو سمجھائیں وہ شامیر بھائی کو اتنی بڑی سزا نہ دیں۔ غلطی ان کی نہیں ہے۔

۔۔ ہم جانتے ہیں غلطی کس کی ہے۔۔۔ ذین کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ مہر کا دل بھی حلق میں آگیا۔

تم نے میرے بچے سے قربانی مانگی اور اس نے ہنس کے دے دی۔ اپنے بابا سرکار کی نظروں میں گناہ گار بن گیا۔۔ بڑی سرکار افسردہ ہوئی

اماں سرکار ہمارا ایسا ارادہ نہیں تھا۔ ہمیں معاف کر دیں۔۔ ذین اٹھ کے ان کے پیروں میں بیٹھا۔

ہم سے معافی نہیں بلکہ اپنے بابا سرکار سے معافی مانگو۔ ہو سکتا ہے وہ شامیر کو معاف کر دیں۔ اور اس کی ذات کے اندھیرے ختم ہو جائیں۔

مہر کے دل میں اک آس جاگی۔ اسے ایک راہ نظر آگئی تھی۔ اب اسے ایمان اور زین کو اس راہ پر چلنے کے لئے قائل کرنا تھا۔

شاہ میر مغرب کے بعد گھر پہنچا۔۔ مہر تب سے ایک ٹانگ پہ کھڑی تھی۔ چار بار اسے میسج کر چکی تھی

پروفیسر صاحب کو میرا بھی سلام کہے گا'

فاطمہ سے کہئے گا کہ میری ضرورت ہوئی تو مجھے بتائے

آپ کب تک گھر آئیں گے

'کیا آپ رات شہر میں ہی رکیں گے

مگر کسی ایک میسج کا بھی ریپلائی موصول نہیں ہوا تھا۔

زندگی کی ایک کڑوی سچائی یہ بھی ہے کہ سچے اور خالص لوگوں کو دلوں میں جگہ بنانے کے لیے گھڑیاں نہیں صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ ہوشیار چالاک لوگ میٹھی چھری بن کر دل کی رگیں کاٹ کر بھی دل پر حکمران ہوتے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔

آپ اتنی لیٹ کیوں آئے ہیں۔ مجھے لگا آپ چلے گئے ہوں گے۔ کتنے میسج کیے ہیں میں نے آپ کو آپ نے ایک جواب تک نہیں دیا۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

مہر حق جتانے والے انداز سے پوچھ رہی تھی۔

شاہ میر کو کچھ انجانا سا احساس ہوا۔ اس سے ایسے بات کسی نے کبھی نہیں کی تھی۔ اس کے آنے جانے پر ایسے نظر کسی نے کبھی نہیں رکھی تھی۔ پھر یہ لڑکی کیوں اس کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔

پروفیسر صاحب کی طرف دیر ہوگئی۔۔ مہراب بے رخی مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

وہ ہممم کہہ کر واپس مڑنے لگی شامیر نے اسے روکا

رومان پاکستان آرہا ہے نیکسٹ ویک۔ سیلن کے ساتھ۔۔۔ پروفیسر صاحب چاہتے ہیں کہ ہم ان کو یہاں کی سیر کروائیں۔ اور سیلن کے دل میں پاکستان اور اپنے مذہب کے لیے محبت پیدا کریں تاکہ وہ مستقل طور پر یہاں شفٹ ہو جائیں۔۔۔ شامیر نے ایک ہی جملے میں بات مکمل کی۔

۔۔ ہم مطلب ۔۔۔ مہر کی تان ابھی تک لفظ ہم مطلب ا'وہ دونوں اکٹھے' پر اٹکی ہوئی تھی۔

مطلب میں اور آپ۔۔۔ میں نے آپ کا سلام پروفیسر صاحب کو دیا تو انھوں نے وعلیکم السلام کے ساتھ تمہارے لئے یہ پیغام دیا۔

۔۔ مگر اماں سرکار اور بابا سرکار مجھے نہیں جانے دیں گے ایسے۔۔۔

میں ان سے بات کر لوں گا۔۔۔
مہر کو وہیں کھڑا چھوڑ کر وہ زینے پھلانگ گیا۔
مہر آج پورے دن میں پہلی بار خوشدلی سے مسکرائی۔
مطلب وہ اپنے محبوب اپنے عشق کی اس راستے پر ہم سفر بنے گی۔

۔۔ واہ واہ میرے اللہ کمال کر دیا آپ نے یہ معجزہ کر کے۔۔ میں صدقے میں واری۔۔

دو دن کی مہلت پر رکھا ہے زندگی کو"

For more visit (exponovels.com)

محبت میں یہ کیسا گماں ہے بندگی کو
تھی آرزو کے وقت خوشی خوشی کاٹ لیں گے
کوئی جام دو، اب بجھا دو میری تشنگی کو
ہیں معطر میری سانسیں جس کے خیال سے
"اسے وقت ہی نہ ملا فرضِ عشق میں پابندگی کو
(صفا خالد)

رات کے کھانے کے بعد زینب اور حسن آئس کریم کھانے کی ضد کرنے لگے۔ اور اس ضد کے پیچھے ہاتھ سراسر مہر کا اپنا تھا۔

بڑی سرکار ایمان کو اجازت نہیں دے رہی تھیں کہ وہ باہر جائے۔ مگر زین ضد کر کے اسے بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ ویسے بھی وہ آج کل جو بھی کھا رہی تھی باہر نکال دیتی تھی۔ کافی چڑچڑی ہو گئی تھی۔

ہمیشہ اپنا ئیت سے بات کرنے والی ایمان اب اکتائی ہوئی لگتی تھی۔ اس کی وجہ اس کی آج کل ہونے والی بھاری طبیعت تھی یا وہ شامیر کے اندھیروں سے ڈرتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ
انسان دوسروں کے کردار میں جو کالی سیاہی بھرتا ہے۔ اس انسان کے اپنے مقدر بھی اسی کالی سیاہی سے لکھے جاتے ہیں۔

ذین جب کبھی بچوں کو اسکول سے پک کرتا تو بچوں کو اسی آئس کریم پارلر پر لے کے آتا تھا۔ جہاں وہ اب موجود تھے۔
ویٹر نے ان کے آگے مینیوبک رکھی۔ تو زین ایمان کے قریب ہوتا فورا بولا
۔۔ بھئی مجھے تو اپنی بیوی کی چوائس کا پتا ہے۔ تم سب اپنا اپنا چوز کر لو۔۔ ایمان نے شرما کے ذین کو دیکھا۔

مہر نے ایک نظر شاہ میر کو دیکھا کہ شاید وہ بھی اس کا فیورٹ فلیور بتا دے۔
محبت میں عاشق اکثر انہیں خام خیالیوں کا تو شکار ہوتے ہیں۔

مگر شامیر اپنی نظریں مینیو بک پہ گاڑھے رہا۔

مہر نے سر جھٹک کر بک دیکھے بغیر چاکلیٹ فلیور کی فرمائش کی۔۔۔حسن اور زینب نے بھی چاکلیٹ کے نام پر ہونٹوں پر زبان پھیری۔

شاہ میر نے ابھی تک کچھ بھی چوز نہیں کیا تھا۔ توزین نے کہا

۔بھائی آپ بہت دیر لگا رہے ہیں جلدی بتائیں۔۔۔

۔۔تمہیں پتا تو ہے میں ایسی چیزیں نہیں کھاتا گلا خراب ہو جاتا ہے پھر شرمندگی ہوتی ہے۔۔شاہ میر نے مجبوری بتائی۔

مہر کو یاد آیا جب ان دونوں نے چاٹ کھائی تھی تو اگلے دن اس کے روم میں موتھ واش پڑا تھا۔ مہر دل ہی دل میں مسکرائی

۔۔ میرے ساتھ چاٹ کھاتے ہوے اس نے اپنے گلے کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ مطلب یہ میری خوشی کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

مہر کڑی سے کڑی جوڑ رہی تھی وہ ہر اس کڑی کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی تھی جس کا سرا شاہ میر کے دل تک جاتا۔

سب خوش گپیوں میں مصروف تھے جب شامیر کا فون بجا۔
اسلام علیکم پروفیسر صاحب۔۔۔ شاہ میر فون اٹھاتے ہی بولا۔
مہر کو ایک بار پھر فاطمہ یاد آئی۔ اس کے منہ کا زاویہ بدلہ

جی۔۔
جی ٹھیک ہے۔۔۔
جی میں کال کر دیتا ہوں۔۔۔
ابھی ڈیٹ تو کنفرم نہیں کی مگر نیکسٹ ویک تک متوقع ہے۔۔۔

شاہ میر پتا نہیں کس بات کا جواب کیسے دے رہا تھا۔ مگر زین کے ذہن میں کوئی نہ کوئی منصوبہ بندی ضرور چل رہی تھی۔

رابطہ منقطع ہونے کے بعد زین نے شامیر سے کہا۔

۔ تو پھر کیا پلان ہے آپ دونوں کا۔ ۔ آپ کو تو بابا نے شُتر بے مہار کی طرح چھوڑا ہوا ہے۔ مگر مہر کی لگامیں وہ ضرور کس دیں گے اگر یہ آپ کے ساتھ پاکستان ٹور پے گئ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ہممممم یہی میں سوچ رہا ہوں۔ پروفیسر صاحب کے ذہن میں بھی پتا نہیں کیا چل رہا تھا۔ ۔ ۔ شاہ میر بولا

۔ ۔ میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔ مہر ایم کیٹ کی تیاری کے لیئے یہاں شفٹ ہو جائے ہمارے پاس۔ بابا کونسا روز یہاں آتے ہیں۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا ایسے۔ ویسے بھی ایک ماہ میں انہوں نے کونسا پاکستان کا چپہ چپہ چھان مارنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بہاولپور یا

آس پاس کے علاقے ہی وزٹ کریں گے۔۔۔۔ذین کا آئیڈیا برا نہیں تھا۔اس لیے وہ اس پر عمل کرنے والے تھے۔

قافلہ آئس کریم کھانے کے بعد گاڑی میں سوار ہوا ہی تھا کہ ایک آٹھ نو سال کے بچے نے گاڑی کا شیشہ بجایا۔

شاہ میر نے شیشہ نیچے کیا جیب سے کچھ پیسے نکالے اور بچے کی طرف بڑھا دیے۔

بچے نے پیسے لینے کی بجائے فورا سے پھولوں کے گجرے آگے کر دیے۔۔۔صاحب بھیک نہیں مانگ رہا حق حلال کا کما کر کھاتا ہوں۔

شاہ میر نے چونک کر اس نو عمر بچے کو دیکھا۔وہ اپنے قد سے بڑی بات کر گیا تھا۔
اس سے پہلے کہ شاہ میر کچھ کہتا زین فورا بولا۔۔
ٹھیک ہے بھائی تم یہ پیسوں لے کر ہمیں گجرے ہی دے دو۔

مہر نے ذرا آگے ہو کر گجرے والے کو دیکھا۔
بچہ گھوم کے ذین کی طرف والی ونڈو پر آگیا۔
مہر کے دل نے انگڑائی لی۔

۔۔کاش مجھے گجرے شاہ میر کے ہاتھوں سے پہننا نصیب ہوتے۔۔

مگر کبھی کبھی ہم صحیح دعا غلط وقت پر مانگ رہے ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی صحیح دعا غلط انسان کے لیئے مانگ رہے ہوتے ہیں۔ جب انسان اپنے لیئے شر سے پناہ کی دعا مانگتا ہے۔ تو غلط انسان ہم سے دور کر دیا جاتا ہے۔ مگر اس پر بھی دل بے صبرا ہو جاتا ہے۔ پھر وقت کی آندھی ایسی چلتی ہے۔ کہ رشتوں اور جذبوں پر پڑی دھول ہوا ہو جاتی ہے۔ تمام برائیاں عیاں ہو جاتی ہے۔ گناہوں کے کفارے ادا کر دیے جاتے ہیں۔ خساروں سے جگہ جگہ پھٹی جھولی خوشیوں کے پیوند سے سل جاتی ہے۔

ذین نے پیچھے رخ کر کے کہا۔

۔۔خواتین آپ میں سے جس نے بھی گجرے لینے ہیں لے لیں۔

ایمان تو شاہ میر کی موجودگی پا کر شرمندہ سی نہیں بول رہی تھی۔ مگر اب خلافِ معمول مہر بھی خاموش رہی۔

اچھا ٹھیک ہے یار یہ دے دو کلیوں اور گلابوں والے۔۔ذین نے جیب سے پیسے نکالے اور چار گجرے خرید لیے۔

۔۔لیں بیگم کیا یاد کریں گی کہ آپ کا شوہر کتنا شاہ خرچ ہے۔۔ذین نے محبت پاش نظروں سے ایمان کو دیکھا۔
ایمان کو گجرے دینے کے بعد اس نے باقی دو گجرے مہر کی طرف بڑھا دیے۔

مہر نے ایک نظر فرنٹ مرر پہ ڈالی تاکہ عزیز از جان کے چہرے کے تاثرات جان سکے۔ آخر کو زین اس کا محرم تھوڑی نہ تھا۔

شاہ میر نے جیسے ہی مر مر میں دیکھا تو آنکھیں چرا گیا۔۔ مہر کی موجودگی، اس کے جذبات، اس کا بڑھتا ہوا لگاؤ وہ محسوس کر رہا تھا مگر وہ اپنے گرد بابا سرکار کا خول نہیں توڑ سکتا تھا۔ نہ اپنے دل کو کوئی جھوٹی آس امید میں باندھنا چاہتا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔

گھر پہنچتے ہی سب اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔ شاہ میر بنجر اداس دل لیے بستر پر ڈھے گیا۔

۔۔ یا الٰہی مجھے اس آزمائش میں مت ڈال۔ میں اس پل صراط پر چلنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ مولا میں حقیر آدمی ایک لڑکی کے پاک جذبوں کی بے قدری نہیں کرنا چاہتا۔ الٰہی اس کے دل میں میرے لیے کوئی ایسی رمز نہ ڈالنا جس سے وہ ٹوٹ جائے۔ رب کریم اس نے اپنی زندگی میں دکھ نہیں دیکھے۔ اس کے پیروں میں روایات کی زنجیروں کے نشان نہیں ہیں۔ یا اللہ میں ڈرتا ہوں وہ اس راہ پہ چلتے چلتے اپنا دل توڑ بیٹھے گی۔ مجھ سے نفرت کرنے لگے گی۔ آخر میں کس کس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھوں گا۔۔۔ آنکھ میں چھوٹا سا آنسو اس کے پتھر دل کی توہین کرنے کے لئے تیار تھا۔

- - - - - - - - -

اُدھر مہر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ وہ کچھ دن اپنے ماہی اپنے سوہنے محبوب کے سنگ گزارے گی۔ ۔ اس کا دل شکر کے کلمات سے لبریز تھا۔

۔ ۔ یا الٰہی میں جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ تو میرے دل کے ایک ایک جذبے سے واقف ہے۔ یا اللہ میرے عشق میں کوئی کھوٹ، کوئی ہوس نہیں ہے۔ ربِ کریم جیسے میرے دل میں تو نے اس کے لئے عشق کا پودا اگایا۔ اسی طرح اس کے دل میں بھی میرے عشق کا بیج بو دے۔ ۔ اللہ میاں اس کی سرد مہری سے میرا دل کٹتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے وہ تمام دنیا کے سامنے میرے روبرو ہو کر چلے۔ لوگوں کی موجودگی سے ڈر کر میرے سے نظریں نہ چرائے۔ میرا دل ان آنکھوں کی سرد مہری جھیلنے کے قابل نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔
اِدھر بھی ایک آنسو عشق کی توہین کرنے کے لئے حاضر تھا۔

عجیب سی ڈگر پر چل رہے تھے دونوں۔ اور ڈگر کا سرا کسی ایک کے ہاتھ میں بھی نہیں تھا۔ نہ ختم ہونے والا سنگلاخ راستہ تھا۔ جس سے چھالے صرف پیروں پر ہی نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ قلب و جگر کو بھی چھلنی کر رہے تھے۔

For more visit (exponovels.com)

مہر کو خوشی کے مارے نیند نہیں آ رہی تھی۔

دو بجے کے قریب اپنے کمرے سے کچن کی طرف نکلی۔ قدم بے اختیار شاہ میر کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ کمرے کی لائٹ ابھی بھی آن تھی۔ مہر نے ناب گھما کر کمرے میں جھانکا۔ وہ سویا ہوا تھا۔ اس کے سینے پر موبائل پڑا تھا۔ شاید کچھ سرچ وغیرہ کر رہا ہو گا۔

مہر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اپنا چہرہ اس کے چوڑے سینے کے قریب لے جا کر اس کے عطر کو اپنی محبت کی چاشنی میں گھولا۔

مہر نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا سویا ہوا بہت پر سکون لگ رہا تھا۔ چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔

مہر کا ہاتھ بے اختیار اس کے چہرے کی طرف اٹھا شہادت کی انگلی بالکل سیدھی اور درمیانی انگلی ذرا سے ٹیڑھی کر کے ماتھے سے تھوڑی تک اس کے خوبصورت چہرے کے نقوش ناپے۔

شاہ میر کے گلے کی ابھری ہوئی ہڈی نے ذرا سی حرکت کی۔ مطلب وہ جاگ چکا تھا۔

مہر کی انگشتِ شہادت شاہ میر کے ہونٹوں تک گی۔ اس نے اپنی انگلی اس کے خوبصورت گلابی ہونٹوں پر رکھی اور انگلی پر اپنے لب رکھ دئیے۔

شاہ میر کی مٹھیاں بھینچ گئی۔ مہر کا دل دھڑک کے اس کے حلق میں آگیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگی۔

وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ اور اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔
اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بے شمار آنسو تھے۔

وہ کیا کر آئی تھی۔ کیوں کر آئی تھی۔ فطرتِ لمس کو گالی بنا آئی تھی۔ کیا وہ محبت میں جسم کی حسیر بن گئی تھی۔؟

۔۔ نہیں نہیں میںنے تو اس کی پاک روح کو چاہا ہے۔ میں تو اپنے عشق کو اپنے ایمان کے برابر سمجھتی ہوں۔ پھر میں بہک کیسے گئ۔؟ وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا؟

نہیں وہ سویا تھا اسے نہیں پتہ چلا ہو گا۔

اگر اسے پتہ چل جائے؟

تو پھر وہ کبھی میری طرف نہیں دیکھے گا۔

مجھے شہر کی ایک بے حیا لڑکی سمجھے گا۔

اس کو میری محبت ہوس لگے گی۔

میں کیسے اس کے بغیر رہوں گی۔

وہ مجھے دین سکھا رہا تھا۔ پھر میں شیطان کے بہکاوے میں کیسے آ گئ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد اور عورت تنہا ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا "شیطان ہوتا ہے۔"

مہر کے کانوں میں بازگشت ہوئی۔

تو کیا میں شیطان بن گئی تھی۔ میں نے شیطان کو اپنے اندر آنے دیا۔

جدت تو مردوں کی فطرت میں ہوتی ہے۔ پھر میں اس کی ذد میں کیسے آگئی۔
اب میں کیسے نماز پڑھوں گی کس منہ سے رب سے اسے مانگوں گی۔ اپنی محبت کو پاک کیسے کہوں گی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت میں ملاوٹ کر دی۔
مہر زاروقطار رو رہی تھی۔ خود سے سوال وجواب میں الجھ گئی تھی۔۔۔۔

شاہ میر کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور چلی گئی تھی۔ مہر کے وجود سے اٹھنے والی خوشبو اس کو تڑپا رہی تھی۔ وہ اس حد تک کیسے چلی گی۔ اپنے سے ساڑھے پانچ سال بڑے مرد کے حصار میں کیوں آنا چاہتی تھی۔
کیوں وہ اپنی نزاکت اپنی عزت ایک مرد پر قربان کرنے چلی آئی تھی۔

شاہ میر نے وضو کیا اور تہجد کے لیے جائے نماز پر کھڑا ہوا نماز کی نیت کی۔ مگر آج اسے آیات بھول رہی تھیں۔ دو کی جگہ پہلی رکعت میں ہی تشہد پڑھ کر سلام پھیر لیا۔۔

جب سے اس نے دین کو سمجھا تھا اس نے غلطیاں کرنا چھوڑ دیں تھی۔ پھر آج کیسے۔۔؟

اس نے سجدہ سہوادا کیا۔ اور اگلی رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا۔

مگراب اس سے نیت تک کے الفاظ نہیں کہے جا رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے جھر جھر پانی برس رہا تھا۔ وہی جائے نماز پر اب ادھ مواسا ہو کر بیٹھ گیا۔ کہنے کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ اپنے خالی ہاتھوں کو دعا میں بلند کئے بس روئے جا رہا تھا۔
روتے روتے وہ م وہی جائے نماز پر سو گیا۔

جب آنکھ کھلی تو فجر قضا ہو چکی تھی۔ پچھلے چھ سات سال میں پہلی دفعہ اس نے کوئی نماز قضا پڑھی تھی۔
دعا کے لئے اس کے پاس ابھی کوئی الفاظ نہیں تھے۔
درود و سلام کے بعد اس نے اپنے لئے زاروقطار رو کر صرف توبہ مانگی۔ اور اس نازک سی لڑکی کے دل سے خود کی محبت نکالنے کی بھیک مانگی۔
ہمت کر کے کمرے سے باہر آیا تو سب فجر پڑھ کے دوبارہ سے سو چکے تھے۔
وہ دبے پاؤں پورچ میں آیا اور گاڑی سٹارٹ کی۔ وواس بے باک شہر کی ہوا سے دور جانا چاہتا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

بیک مرر پر نظر پڑی تو

شاہ میر نے گجرے گاڑی کی بیک سیٹ پر پڑے دیکھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے ان کو اپنی گرفت میں لیا۔ مہر نے انہیں پہنا نہیں تھا۔ اور وہ اچھے سے جانتا ہے کہ کیوں نہیں پہنا۔ وہ اپنے من محرم کی موجودگی میں بھلا کسی اور کے دیے ہوئے گجرے کیوں پہنتی۔

وہ پھول کلیاں اپنی بے قدری پر اب بلکل مرجھا چکے تھے۔

شاہ میر ان گجروں کو اپنے چہرے تک لے کر گیا۔ مگر اسے ان میں سے کوئی روایتی خوشبو نہیں آئی تھی جو عطر اس نے محسوس کیا تھا وہ مہر کے عشق کا تھا۔

اس نے وہ گجرے اپنی گود میں رکھے اور سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کی۔ ایک نظر مہر کی کھڑکی کو جھانکا اس کا عکس نہ پا کر گاڑی چلا دی۔

۔۔۔ کاش کوئی ایسی دنیا ہو جس میں تم میرے نام سے پہچانی جاؤ۔ اور میں تمہارے عشق سے۔

لوگ کہیں وہ دیکھو جو چلتا آرہا ہے نا وہ مہر کا امیر ہے اس کا سلطان، اس کا عشق ہے۔

اور میں کہوں نہیں میں اس لڑکی کا اسیر ہوں۔ میں اس کا دم بھرنے والا ہوں۔ میں اس کا محافظ اس کا مداح ہوں۔۔۔۔

آج شاہ میر کے دل پہ پڑے قفل بھی ٹوٹ گئے تھے۔
مگر وہ اپنے جزبات کی آگ سے ڈرتا تھا اس لیے تو اپنی انت لحیات کو بتائے بغیر واپس
چلا آیا تھا۔
- - - - - - - - - -
مہر کی آنکھ کمرے میں آتے سورج کی روشنی سے کھلی۔
رو رو کر آنکھیں سوجھی ہوئی تھی۔ آئس کریم کھانے سے زکام بھی ہو گیا تھا۔
سر بھاری ہو رہا تھا۔ وہ ہمت کر کے اٹھی اور واش روم سے فریش ہو کر آئی۔ اس کی
ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ شامیر کا سامنا کرے۔
بیڈ پر بیٹھ کر انگلیاں مسلنے لگی۔

جبھی ایمان دروازہ کھول کر اندر آئی۔

مہر کی حالت دیکھ کر وہ فوراً بولی

۔۔ مہر میری جان کیا ہو گیا ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟

For more visit (exponovels.com)

نہیں وہ آپی ذرا سا زکام ہے ۔ مہر بھاری آواز کے ساتھ بولی

ذرا سا نہیں ہے ۔ بخار میں تپ رہی ہو۔
ایمان نے اس کے ماتھے کو چھو کر دیکھا

حالت دیکھو اپنی ایسے لگ رہا ہے جیسے ساری رات روتی رہی ہو۔

نہیں میں کیوں رونگی بس جو زکام کی وجہ سے سو نہیں پائی ۔ ۔ مہر فورا سے بولی ۔

اچھا تم رکو میں زین سے کہتی ہو وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کے جائے ۔

نہیں آپی میں ٹھیک ہوں بس ۔ ابھی میڈیسن لے لیتی ہوں ۔

ٹھیک ہے میں تمہارے لیے ناشتہ بنا کر لاتی ہوں تم ریسٹ کرو۔ ناشتے کے بعد تمہیں جوشاندہ بنا دوں گی۔

ایمان مہر کو پیار کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔

جب مہر نے پوچھا

آپی کیا سب لوگ واپس چلے گئے ہیں۔؟

نہیں بس شامیر گیا ہے۔ بڑی سرکار نے زمان لالہ کو کال کی ہے آپ سب لوگ ان کے ساتھ ہی واپس جائیں گے۔

ایمان کہتے ہوئے واپس چلے گی۔

شاہ میر کے نام پر اس کی کمفرٹر پر گرفت مضبوط ہوئی۔

۔۔ تو میری چوری پکڑی گی۔ مہر ایک بار دوبارہ سے رونا شروع کر چکی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

وہ بیڈ پر لیٹ گئی اور کمفرٹر کھینچ کر مت کر لیا۔ جیسے خود کو کسی سے چھپا رہی ہو۔

بڑی سرکار اور زلیخہ بی بی کمرے میں آئے
مہر سوتی بن گئی۔ آخر کس کس کو جواب دیتی۔
بڑی سرکار نے اسے آواز دی

۔۔ مہر میرے بچے کیا ہو گیا ہے ایمان بتا رہی ہے کہ بخار چڑھ گیا ہے۔
وہ نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

نہیں بس ذرا سا بخار ہے۔

یہ ذرا سا ہے تپ رہی ہو بخار سے۔۔۔۔ ذلیخہ بی بی نے اسے اپنے قریب کیا

ماں کا لمس پا کر اسے کل رات کی غلطی یاد آئی
۔۔۔ ماں کو پتہ چلے کہ میں ان کی تربیت پر طمانچہ مار آئی ہوں پھر۔۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

مہر رونا شروع ہو گی
بڑی سرکار اسے دیکھ کر فکر مند ہویں۔

۔۔بیٹے رو کیوں رہی ہو؟ کیا ہوا ہے۔؟

۔۔۔آپا یہ شروع سے ایسی ہی ہے ذرا سی تکلیف پر بھی میرے ساتھ لگ کے رونے لگتی ہے۔

مہر نے آہستہ سے کہا۔

۔۔۔میں بہت بری ہوں نا امی۔ میں ہر کام خراب کر دیتی ہوں۔

ایسے کیوں کہہ رہی ہو میری جان تم سب سے اچھی بیٹی ہو۔۔ ماں نے اسے اپنے مزید قریب کیا

کمرے میں ناشتہ لے کے آتی ملازمہ نے وہی رک کے مہر کو دیکھا۔

۔۔۔بی بی مہر بی بی کو کیا ہو گیا ہے یہ تو ہمیشہ ہنستی کھیلتی رہتی ہے۔ کل رات تو بھلی چنگی تھی۔

۔۔۔میرے خیال میں نظر لگ گئی ہے اسے۔۔ ہر وقت بھاگتی دوڑتی جو رہتی ہے دوپٹا بھی کم ہی سر پر رکھتی ہے۔ ماشاءاللہ ہے بھی اتنی پیاری ایسے چہرے کو جلدی نظر لگ جاتی ہے۔۔۔

۔۔نہیں آپا یہ کل آئسکریم جو کھانے گئے تھے۔ بھلا اتنی ٹھنڈ میں کون آئسکریم کھاتا ہے۔ اس نئی نسل کے بھی اپنے ہی قانون ہیں۔

۔۔نظر برحق ہے زلیخا یہ تو نبیوں ولیوں کو بھی لگ گئی تھی۔۔۔

۔۔ جاؤ تم پہلے کوئی دوا لے کر آؤ میں پانی دم کر کے دیتی ہوں اسے ۔۔۔ بڑی سرکار نے ملازمہ سے کہا

بڑی سرکار نے پانی پر دم کیا اور مہر کو دیا
وہ دم والا پانی نہیں پی رہی تھی ۔ وہ خود کو اتنی پاک نہیں سمجھتی تھی اب کہ تبرکات استعمال کرے ۔

۔۔ دیکھا اسے نظر لگی ہے اسی لئے تو پانی نہیں پی رہی ۔۔ بڑے سرکار نے اسے زبردستی پانی پلایا پھر دوا کھلائی
مہر دوا کھا کر سو گئی تھی ۔

شاہ میر کے دل کو ایک پل کے لئے بھی چین نہیں مل رہا تھا ۔

اس نے گاؤں آکر ظہر بھی نہیں پڑھائی ۔

عبداللہ اس کا شاگرد پچھلے تین سال سے اس کے ساتھ تھا۔ شاہ میر نے اسے حفظ کروایا اور اب اسے تفسیر پڑھا رہا تھا۔ شاہ میر کی غیر موجودگی میں وہ مسجد کے تمام امور احسن طریقے سے سرانجام دیتا۔ شاہ میر نے عبداللہ کی امامت میں نماز پڑھی اور درگاہ چلا آیا۔

ایک لڑکی مزار کی جالیوں پر سرخ دھاگا باندھ رہی تھی۔

شاہ میر کو دیکھ کر عقیدت سے سلام کیا۔
شامیر نے اسے دیکھے بغیر اثبات میں سر ہلا کر جانے لگا تو لڑکی نے فریاد کی۔۔۔

۔۔پیر سائیں دعا کریں میرا شوہر میرے پاس لوٹ آئے۔

شامیر کے قدم رک گئے۔

پیر سائیں وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔

۔۔پھر بھی تم ایسے انسان کے لئے دعا کروا رہی ہو بچے جو تمہاری جگہ کسی اور کو دے رہا ہے۔۔

شاہ میر کی نظریں اب بھی زمین میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

۔۔پیر سائیں وہ جیسا بھی ہے، ہے تو میرے سر کا سایئں ہی نا۔ ویسے بھی وہ بھٹک گیا ہے۔ انسان بھٹک ہی جاتے ہیں۔ مگر میں اس کی گھروالی ہو مجھ پہ فرض ہے کہ میں اس کی چاہ کروں اس کا خیال رکھوں۔

بس آپ اس کے لیے دعا کر دیں وہ خیریت سے گاؤں واپس آجائے۔ میں پھر یہاں چادر چڑھانے آؤں گی اس کے ساتھ۔

اللہ تمہاری مشکل آسان کرے بیٹا۔۔۔ وہ اسے دعا دیتا حجرے کی طرف بڑھ گیا۔

۔۔۔وہ بھی بہک گئی ہوگی۔ حیا والیاں بھی تو بھٹک جاتی ہیں۔ پھر اللہ انہیں سمیٹ بھی لیتا ہے۔ میرا اللہ اسے بھی سمیٹ گے گا۔

شاہ میر کے دل نے چغلی کی۔

تین بجنے والے تھے۔ ابھی تک پیر خاندان کے باسیوں کی کوئی خبر نہ آئی تھی۔ شاہ میر کا دل ذرا بے چین ہوا۔
اچانک فون کی گھنٹی بجی زین کا نمبر دیکھ کر اس نے کال اٹینڈ کی۔

اسلام علیکم۔۔۔

وعلیکم السلام بھائی۔۔۔

آپ خیریت سے پہنچ گئے تھے۔۔۔

ہاں میں پہنچ گیا تھا۔ اماں سرکار لوگ بھی کیا واپسی کے لئے نکل گئے ہیں۔۔۔ شاہ میر نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

For more visit (exponovels.com)

نہیں وہ مہر کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی تو وہ کل آئیں گے۔۔۔ مہر کے نام پر شامیر کا دل ذور سے دھڑکا۔

ک ک کیا ہوا مہر کو۔۔۔

۔۔۔بخار ہے اسے کافی تیز بس روئے جاتی ہے اماں سرکار نے اسے دم والا پانی بھی پلایا ہے۔ مگر بخار کم نہیں ہو رہا ابھی۔۔۔ کل تک ٹھیک ہوتی ہے تو آجائیں گے وہ لوگ۔۔۔ زین اطلاع دے کر فون بند کر گیا تھا مگر شاہ میر کا دل وہیں کہیں اٹک گیا۔

مہر تم اپنے دل کو کیسا روگ لگا کر بیٹھ گئی ہو۔۔۔مجھے معاف کر دو میں تمہیں اس ہجر سے نہیں نکال سکتا۔۔۔شاہ میر کی آنکھیں نم تھیں۔

اگلے دن بھی مہر کا بخار نہیں اترا تھا۔ کیونکہ وہ بخار تھا ہی نہیں وہ تو اس کے عشق میں ہونے والی لاپرواہی کی شدت تھی۔ مگر کل سے اب ذرا سی بہتر تھی۔

زمان بھی صبح صبح ان کو لینے پہنچ گیا تھا بچے بہت دنوں بات باپ سے نہیں ملے تھے ۔

زینب تو باپ کی جان ہی نہیں چھوڑ رہی تھی ۔
زمان تو چاہتا تھا کہ وہ آج کا دن بھی رک جائیں کل ڈرائیور کے ساتھ آجائیں مہر کچھ اور بہتر ہو جاتی ۔

مگر حسن اور زینب ضد کر رہے تھے کہ باپ کے ساتھ ہی جائیں گے ۔ توان کو چاہوں نچار واپس آنا پڑا ۔
مہر گاڑی میں آنکھیں موندے بیٹھی رہی ۔ نہ کسی سے کوئی بات کی نہ کوئی جواب دیا ۔

شاہ میران کے آنے کی خبر سن کر ذرا سکون میں ہوا۔
اب وہ بہتر ہو گئی ہوگی ۔ اس لیے تو آرہے ہیں
اصل میں دل بے قرار کو تسلی دے رہا تھا ۔

For more visit (exponovels.com)

ذرا سکون میں ہوا تو مردانہ حجرے میں ہی سو گیا۔ پھر اٹھتے اٹھتے اسے شام کے چار بج گئے۔

بابا سرکار مجھ سے خفا نہیں ہوتے تو وہ مجھے کبھی اتنی دیر تک سونے نہیں دیتے۔۔۔

اس نے افسردگی سے سوچا

اس نے عصر کی نماز پڑھی۔

اپنے عزیز و اقارب کے لیے ڈھیر سارا سکون اور خوشیاں مانگ کر محل آگیا۔

بڑی سرکار کو دیکھتے ہی اس نے ماں کے ہاتھ چومے۔ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

جیسے برسوں کا تھکا ہارا لمبی مسافت سے آئے اور ماں کی کوک میں چھپ جائے۔

۔۔ اچھا ہوا بیٹا تم آگے میں تمہیں بنانے والی تھی۔ جاؤ مہر کو دیکھ کے آؤ پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے اسے۔ دو دن سے بولی تک نہیں ہے۔ رنگ پیلا پھٹک ہوگیا ہے۔ بن روئے جاتی ہے۔

مجھے لگتا ہے اسے کوئی کالی نظر لگ گئی ہے۔ جا میرا بچہ اسے دم کر آ۔۔۔۔ بڑی سرکار نے شامیر کو دیکھتے ہی فرمائش کی

اماں سائیں میں۔۔۔۔ وہ حیران ہوا

میں پانی دم کر دیتا ہوں کسی ملازمہ کے ہاتھ آپ بھجوا دیں۔۔۔۔۔ شاہ میر بھی اس کے سامنے جانے سے جھجک رہا تھا

۔۔ نہیں اچھا نہیں لگتا بچے ہمیں دیکھنے جانا چاہیے اسے ہماری بیٹی ہے۔ میں تو یہ کلموہی درد کی وجہ سے نہیں جا پاتی۔ چل سکتی تو چلی جاتی۔۔۔۔ بڑے سرکار نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

ٹھیک ہے چلا جاتا ہوں۔۔۔ شاہ میر دھیرے سے بولا اس کے خون میں بڑوں کی حکم عدولی کرنا نہیں تھا۔

وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا محل سے باہر نکلا حویلی کا رخ کیا۔

کیا کہوں گا جا کر۔ وہ کیا کہے گی۔ میں کیسے سنوں گا۔۔۔۔۔اسی ادھیڑ بنتی میں وہ حویلی کے دروازے پر پہنچا۔

چچی سرکار کو جھک کے سلام کیا۔

۔۔وہ اماں سرکار نے کہا تھا کہ مہر کو دم کردو۔

ہاں ہاں بیٹا آؤ۔۔۔۔ذلیخہ بی بی اسے مہر کے کمرے تک لے گئیں۔

مہر کمرے کی بتی بجائے کمبل منہ تک اوڑھے لیٹی ہوئی تھی۔

ذلیخہ بیبی نے کمرے کی لائٹ آن کی مہر کو جگایا۔

۔۔مہر میرے بچے اٹھو دیکھو کون آیا ہے۔

مہر نے کمبل سے منہ نکال کر دیکھا تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

سامنے کرسی پر شامیر بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کا پیلا زرد رنگ دیکھ کر شامیر کا دل کانپ گیا۔

مہر کو لگا کہ وہ خواب دیکھ رہی ہے۔
وہ ایک جھٹکے میں اٹھ کر بیٹھ گئ۔پھر یقین آیا کہ خواب نہیں حقیقت ہے۔
تو شرمندگی سے آنکھیں جھکا لیں۔۔
شاہ میر اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

۔۔کیا ہو گیا ہے بچے۔2 دن پہلے تو اچھی بھلی تھیں۔

مہر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔
۔۔ تو کیا ان کو کچھ بھی پتہ نہیں چلا۔۔ اس
نے دل میں سوچا۔

۔ نہیں میں ٹھیک ہوں اب۔۔۔ وہ شرمندہ شرمندہ سے بولی۔

۔۔ میں شامیر بیٹے کے لیے کچھ کھانے کا کہتی ہوں تم بھی کچھ کھا لو صبح سے ایسی ہی بھوکی پیاسی لیٹی ہو۔ پھر شامیر تمہیں دم کر دے گا۔۔۔ ذلیخہ بی بی کہتے ہوئے باہر چلے گی۔

شاہ میر کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے سامنے مہر بیٹھی ہے۔ ایک خوبصورت بہار جیسی لڑکی اس پیلے پتے کی طرح لگ رہی تھی۔ جس پر موسم خزاں کی پھٹکار برسی ہو۔
مہر شامیر کی نظریں خود پر پا کر گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

: شامیر ذرا سنبھل کر بولا

جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ دو تین دن میں رومان آ رہا ہے سیلن بھی ساتھ ہو گی۔ پروفیسر صاحب کو بہت امیدیں ہیں آپ سے۔۔

مہر میں بس اثبات میں سر ہلایا۔

۔۔ یا الہی تیرا شکر ہے۔ تم نے میری ذات کا پردہ رکھ لیا۔ میرا گناہ عیاں نہیں کیا۔ مہر دل ہی دل میں دعا گو تھی۔

ذلیخہ بی بی ایک ملازمہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ چائے کے ساتھ بہت سارے لوازمات شامیر کے آگے رکھے۔ مہر کے لیے انہوں نے سوپ بنوایا تھا۔

مہر نے دو چمچ سوپ کے پیے اور پیلاہ ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔

شامیر بیٹا دیکھو اسے کچھ نہیں کھا رہی۔ اتنی پریشان ہوں اس دن سے۔ بس ماں کو ہی دکھ دیتے ہیں۔۔۔

مہر۔۔۔۔ بری بات ہے چلو جلدی سے سوپ پیو۔ دیکھو چچی سرکار کتنی پریشان ہیں۔

مہر کو اپنی سماعت پر یقین نہیں ہوا اپنا نام اسے ہمیشہ سے اولڈ فیشنڈ لگتا تھا ہمیشہ اپنے ماں باپ سے اس نام کی وجہ سے لڑتی تھی۔ کالج کی لڑکیاں اسے بانو بانو کہہ کر چڑاتی۔ اور وہ گھر آکر ماں کی جان کھاتی۔

مگر آج یہ نام اسے لاکھوں ستاروں میں نور کا ہالہ لگا تھا۔

آج اسے اس کے عزیز از قلب نے جو پکارا تھا

ان لبوں نے آج پکارا ہے مجھے"

"مجھ پر فرض ہے کہ میں نیاز بانٹوں

صفا خالد

مہر نے جھٹ سے سوپ کا باؤل اٹھایا اور دو منٹ میں گرما گرم سوپ ختم کر گئی۔ پھر سر اٹھا کے شامیر کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔۔اور کوئی حکم علی جا!کنیز حاضر ہے۔

چلو شاباش اب دم بھی کروالو۔۔مہر نے ماں کی آواز پر ایک بار پھر شامیر کو دیکھا۔

وہ اٹھا اور چلتے چلتے اس کے مقابل آیا۔۔۔مہر نے آنکھیں موند لیں۔

اس کے پیر و مرشد نے دم شروع کیا۔مہر تو ابھی اس کے وجود سے اٹھنے والی عطر کی خوشبو سے سرشار ہو رہی تھی۔کہ جب شاہ میر نے اس کے چہرے پر پھونک ماری۔

مہر نے آنکھیں کھول کر اس کو دیکھا۔وہ اس کے تھوڑا قریب جھکا ہوا تھا

مہر کا دل ایسے دھڑکا جیسے پسلیاں توڑ کر حلق میں آجائے گا۔
وہ اس کے پھر ذرا سا قریب ہوا اور ایک بار پھر اس نے اپنا سحر پھونکا۔

مہر کا دل چاہا کہ وہ شامیر سے لپٹ جائے۔

۔۔۔یا اللہ میری محبت ہوس تو نہیں ہے تو پھر میرے دل میں ایسے کافرانہ خیال کیوں آتے ہیں۔۔

شاہ میر نے ایک بار پھر سحر پھونکا اس کی دعا کے الفاظ دل میں ہی اٹک گئے۔

اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر اسکو دیکھا۔

دم ختم ہو چکا تھا اب وہ واپس پلٹا چچی کو سلام کیا اور دروازے سے باہر چلا گیا۔

مہر وہی بے سدھ بیٹھی رہی

شامیر تیز تیز قدم اٹھاتا حویلی کے زینے پھلانگ گیا۔ حویلی پار کر کے باہر تک جانے کی ہمت نہیں بچی تھی۔

اس نے چھت پر پہنچ کر لمبی لمبی سانسیں لیں۔ دائیں ہاتھ سے دل کو دبایا۔ مگر دل تھا کہ بے قابو ہوا جاتا تھا۔

۔۔یا الٰہی یہ کیسی ہے آزمائش ہے۔ جو میرے لئے نہیں ہے اسے میری طرف اور مجھے اس کی طرف متوجہ نہ کر۔

شاہ میر وہیں پلر سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھ گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔

رومان اور سیلن پاکستان لینڈ کر چکے تھے۔ پروفیسر صاحب خوش تو بہت تھے مگر بیٹے پر ناراضگی ظاہر کر رہے تھے۔

فاطمہ بہن ہونے کا پورا حق ادا کر رہی تھی طرح طرح کے کھانے بنا کر بھائی اور بھاوج کے آگے پیش کیے۔

شامیر رومان کو فاطمہ کے بارے میں تمام ڈیٹیلز دے چکا تھا۔

شاہ میر نے ایک پوری لسٹ بنائی تھی اسے جہاں جہاں مہمانوں کو سیر کے لیے لے کے جانا تھا۔

مہر مغرب پڑھ کے فارغ ہوئی تو شاہ امیر کا ٹیکسٹ دیکھا۔

۔۔آپ پیکنگ کرلیں ہم پرسوں شہر کے لئے نکلیں گے۔زین نے آپ کا ایک اکیڈمی میں ایڈمیشن کروادیا ہے۔

مہر نے سلطانِ مہر کے نام سے آنے والے میسج کو دو تین بار پڑھا۔

کیا اماں اور بابا جانے دیں گے۔۔۔مہر نے ریپلائی کیا۔

۔۔ذین ان سے بات کرلے گا آپ فکر نہ کریں اور پیکنگ کریں۔۔مہر میسج پڑھ کر نہال ہوئی۔

اور فوراً سے کبڈ کھول کار کھڑی ہوگئی۔ مگر سمجھ نہیں آیا کہ کون سے ڈریسز چوز کرے۔

۔۔ایسٹرن پہنوں گی تو وہ سیلن مجھے پینڈو سمجھے گی۔ویسٹرن پہنوں گی تو شامیر غصہ ہوں گے۔۔۔وہ پریشان سی کھڑی تھی پھر اس نے شامیر سے مشورہ لینے کا سوچا اور میسج ٹائپ کیا۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔مجھے سمجھ نہیں آرہی کس طرح کے کپڑے ساتھ لے کر جاؤایسٹرن یا ویسٹرن ۔ایسٹرن
!میں پینڈو لگوگی اور ویسٹرن میں آپ۔۔۔۔۔۔
آدھا ادھورا سا میسج سینڈ کر کے ریپلائی کا ویٹ کرنے لگی۔

۔۔آپ سمجھدار لڑکی ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ کچھ بھی ایسا چوز نہیں کریں گی جس سے ایک غیر ملک عورت کے سامنے ہمارے ملک ہماری روایات کی تذلیل ہو۔۔

اس ریپلائی کے بعد مہر فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

وہ پیکنگ کر کے باہر آئی تو زلیخہ بی بی تپی بیٹھی تھیں۔

۔۔احمد سارا دن کالج یا پھر زمان کے ساتھ شہر کی خاک چھانتا ہے۔ایمان ویسے خیر سے سسرال میں ہے۔بچیں تھی تم اب تم بھی شہر جا رہی ہوں۔۔مجھے لگتا ہے تمہارے بابا سرکار نے تم لوگوں کو نہیں مجھے اسے حویلی میں قید کیا ہے۔

۔۔۔ ارے میری پیاری ماں آپ دعا کیوں نہیں کرتیں کہ آپ کی بیٹی ڈاکٹر بن جائے پھر میں اس گاؤں میں ہی ہسپتال بنا لینا ہے اور ہمیشہ آپ کے پاس ہی رہوں گی۔
مہر نے ماں کے گلے میں باہیں ڈالیں جن کو ماں نے نفاست سے جھٹک دیا تھا۔

۔۔۔ میری معصوم سی ماں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے آپ کو تو اپنے سر تاج کے ساتھ اکیلے رہنے کا موقع مل رہا ہے۔ آپ لوگ کھل کر رومینس کیا کرنا سارا دن مگر زرا ان ملازماؤں سے آنکھ بچا کر کہیں آپ کو کپل آف دا ائیر ہی مشہور نہ کر دیں۔۔۔۔

دروازے پر آتے شاہ میر کے قدموں ہی اٹک گئے۔۔
۔۔۔ کچھ نہیں ہو سکتا اس لڑکی کا۔ یہ لڑکی عقل سے پیدل ہے۔ پتا نہیں شہر سے کیا کیا سیکھ کے آئی ہے۔ ذرا کوئی لاج شرم ہو۔ پتا نہیں چچی سرکار کیسے برداشت کرتی ہیں اسے۔۔۔ کر تو وہ شکوہ رہا تھا لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ عیاں تھی۔

زلیخہ بی بی نے ہمیشہ کی طرح چپل اٹھائی۔ اور مہر موقع واردات سے فرار ہوگئ۔ چپل نے مہر کا پیچھا تب تک کیا جب تک وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے باہر نہیں نکل گئ۔

۔۔ بھاگتے ہوئے وہ شامیر سے ٹکرائی۔ اس کا ماتھا شامیر کے سینے سے بری طرح ٹکرایا۔

شاہ میر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر سنبھالا۔ ورنہ وہ وہی زمین بوس ہو جاتی۔

۔۔۔ آرام سے لڑکی۔ ہمیشہ اڑتی پھرتی رہتی ہو۔ کسی دن نقصان کروا بیٹھو گی اپنا۔

۔۔۔ آپ فکر نہ کریں میرے آگے پیچھے بہت سے لوگ ہیں مجھے سنبھالنے کے لیے۔ جیسے ابھی آپ آ گئے۔۔

مہر خوش دلی سے مسکرائی۔

۔۔ کبھی کبھی ہم جن کو سہارا سمجھ رہے ہوتے ہیں ۔ وقت آنے پر وہ لوگ صحرا کی ریت ثابت ہوتے ہیں ۔ ہمیں لگتا ہے کہ وہ ہماری مٹھی میں ہیں ۔ مگر در حقیقت ان کی مٹھی خالی ہوتی ہے ۔۔

شاہ میر بات ختم کر کے چچی کی طرف بڑھا ۔

میں لوگوں کو مٹھی میں نہیں ۔ دل میں رکھتی ہوں ۔ امیر

مہر کی پیچھے سے آواز آئی ۔ امیر کہنے پر شامیر کے قدموں کی روانی میں ذرا سستی آئی ۔ دل جلترنگ سا تو ہوا تھا ۔ مگر وہ ہنوز چلتا رہا ۔

شاہ میر چچی سے جھک کے ملا ۔ احمد کچھ دن شہر زمان کے پاس رہنے والا تھا ۔ تو زمان نے کہا تھا کہ وہ احمد کے کچھ کپڑے آتے ہوئے ساتھ لے آئیں ۔ وہ بس اسی غرض سے حویلی آیا تھا ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہراب آتے جاتے اس سے ٹکرانے لگی تھی۔ وہ اسے دیکھ کے اب سر نہیں جھٹکتا تھا۔ وہ اب اس کی طرف دیکھ کے بات کرتا تھا۔
دونوں اطراف میں آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ مگر مہر کو یہ آگ ٹھنڈک دے رہی تھی۔ اور شاہ میر
کے آگے تو آنا ییں کھڑی تھیں۔ جو اس کے قرب کو مزید بلندی پر لے کے جا رہی تھی۔

صبح نو بجے کے قریب شاہ میر بشارت حویلی کے سامنے گاڑی میں بیٹھا پچھلے پندرہ منٹ سے اس سست لڑکی کا انتظار کر رہا تھا۔
سست تو وہ کہیں سے نہ تھی۔ بس صبح اٹھنے میں اسے ذرا مشکل ہوتی تھی۔

پھر اچانک گیٹ کھلا اور وہ ایک چھلاوے کی طرح ظاہر ہوئی۔ سوٹ کیس تو پہلے ہی ملازم ڈگی میں رکھے گئے تھے۔

بلیک جینز پہ اس نے ماسٹرڈ کلر کا خوبصورت شارٹ فراک پہنا ہوا تھا۔ بازو تھوڑے لمبے اور کھلے تھے مگران پر بہت ہی خوبصورت ہلکے سٹونز میں کام ہوا ہوا تھا۔ البتہ سر پہ ہم رنگ سکاف سے خوبصورت طریقے میں حجاب کر رکھا تھا۔

بلیک لانگ شوز پہنے وہ گاڑی کی طرف بڑھی۔
انگوٹھے میں چھلا پہن رکھا تھا۔ تیسری انگلی میں مڈ فنگر رنگ پہنی ہوئی تھی۔ جس میں چھوٹا سا سٹون نصب تھا۔ دوسرے ہاتھ کی تیسری انگلی میں بھی ایک نفیس سا چھلا پہنا ہوا تھا۔
چہرے پر میک اپ کے نام پر موسچرائزر فاؤنڈیشن لگایا ہوا تھا۔ سردیوں میں اس کی سکن کچھ زیادہ ہی ڈرائی ہو جاتی۔ آنکھوں میں ہلکا سا کاجل اور مسکارا لگا کر آئی لیشز کو گھنا کیا تھا۔
ہونٹوں پر لائٹ پنک لپ بام لبِ شیریں ٹپکا رہا تھا۔

شاہ میر پہلی بار اسے اتنے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایسٹرن اور ویسٹرن کا کومبو بن کے جا رہی تھی۔ نہ تو وہ بالکل پینڈو لگ رہی تھی نا ہی اپنی حدود سے تجاوز کر کے ویسٹرن لک دے رہی تھی۔

شاہ میر پہلی بار اسے یک مشت دیکھ رہا تھا۔ جیسے کسی پوشیدہ چیز کو کھوجنے کرنے کے لیے اس کے متعلق ایک ایک چیز کو ذہن میں رکھا جاتا ہے۔

مہر نے اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر کہا۔

بہت پیاری لگ رہی ہوں کیا۔۔ منہ ایسا معصوم بنایا جیسے بچے دس روپے کے نوٹ کے لیے ماں کے آگے لوٹ پوٹ ہوتے ہیں۔

ذرا جلدی آجاتی تو ہم ٹائم سے پہنچتے۔۔۔ مہر کو اس جواب کی توقع نہیں تھی استہزائیہ مسکرائی اور رخ پھیر کر بیٹھ گئی۔

شاہ میر کبھی بھی expressive مرد نہیں تھا۔ مگر مہر کی ذات ایک کھلی کتاب کی طرح تھی۔ مہر شاہ میر کے تمام تر احساسات اپنی کھلی کتاب میں درج کرنے نکلی تھی۔ قسمت، تقدیر خود بنانے پر یقین رکھتی تھی۔

مگر ہر چیز انسان کے اختیار میں نہیں دی جاتی ورنہ انسان رب تعالیٰ کا نائب اس دنیا کو درہم برہم کردیتا۔ کسی ایک انسان کی چاہ میں دنیا کی ہر خوبصورت شۓ اکٹھا کرکے محبوب کی دسترس میں رکھا آتا۔ محبت کا تو اصول ہی خوبصورت اشیاء

!کی قربانی ہے۔ پھر چاہے وہ خوبصورت کردار ہو یا نفس۔۔۔۔

مگر یہ جیپ آج۔۔۔ ہم آپ کی گاڑی میں نہیں جائیں گے کیا۔۔۔ مہر جو رخ پھیرے بیٹھی تھی اچانک بولی۔

صحرائی راستوں پہ وہ گاڑی نہیں چل سکتی تھی۔ یہ جیپ بھی اپنی ہی ہے۔۔۔

۔۔اگر رستے مشکل ہو جائیں تو کیا زادِ سفر بدل لینا چاہیے۔۔۔ مہر اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے افسردہ سے بولی۔

۔۔ڈیپینڈ کرتا ہے راستوں پر بھی اور زادِ سفر پہ بھی۔ !کبھی کبھی راستہ بدلنے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔۔۔۔ اب کی بار شاہ میر شامیر بھی افسردہ ہوا۔

۔۔اگر راستہ بدلنے کی ہمت نہ ہو اور زادِ سفر بھی ضروری ہو تو!!۔۔۔۔ مہر نے اک امید سے شامیر کی طرف دیکھا

۔۔پھر رب تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مجاہد بھی تو یہی کرتے ہیں لاکھ رستے مشکل سہی، جان کا خطرہ بھی سہی، بھوک پیاس کی شدت بھی در آتی ہے مگر وہ رستہ نہیں بدلتے۔ کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے منزل پر پہنچ گئے تو غازی نہ پہنچ سکے تو شہید۔

مہر کے ہاتھ پے اک امید کا چراغ رکھ کر وہ پھر بولا۔

۔۔مگر راستے کا علم ہونا بھی ضروری ہے جو راستے منزلوں کی طرف نہیں جاتے ان کو !!بدل دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔۔۔۔

شاہ میر کی یہ بات مہر کا کلیجہ چھلنی کرنے کے لئے کافی تھی۔

۔۔اور اگر انسان اس رستے پر چلتے چلتے بہت آگے نکل آئے واپسی کی ساری کشتیاں جل جائیں توبہ کا بھی کوئی راستہ نہ بچتا ہو پھر۔۔۔؟

مہر نے پھر پوچھا اسے وہ رات یاد آئی جب اس نے اپنے بے باک جذبوں کو لگام نہیں دی تھی۔

۔۔ایک انسان کے لئے یہ بھی نعمت ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے توبہ کرنی ہے۔ ضمیر کا زندہ ہونا انسان کے انسان ہونے کی علامت ہے۔

شاہ میر نے تھوڑا وقفہ لیا اور پھر بولا:

رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کیا گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے؟'

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا انسان اس وقت تک توبہ کر ہی نہیں سکتا جب تک اللہ توفیق نہ دے۔ اور جسے توفیق مل جاتی ہے اس کی قبولیت میں کسی شک کی گنجائش نہیں بچتی'۔

مہر نے ایک آس کا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑا اسے اس پگڈنڈی پر چل کے توبہ کے رستے سے گزر کر شامیر تک پہنچنا تھا۔

جیپ پروفیسر ہاؤس کے پاس رکی۔ کچھ قدم اپنے ہم نشین کے پیچھے چل کر پروفیسر صاحب کے دروازے تک پہنچی۔
رومان نے دروازہ کھول کے دونوں کو خوش آمدید کہا۔۔ شامیر آگے بڑھ کر رومان کے گلے لگا۔

مہر کو دیکھ کر اس نے بہت اپنائیت سے سلام کہا

تو آپ ہیں ہماری ٹور گائیڈ۔۔۔؟ رومان مہر سے پوچھا۔

نہیں میں تو بس ایسے ہی بور ہو رہی تھی تو آ گئی ساتھ۔۔ مہر تھوڑا گھبرائی۔

نائس۔۔ویلکم ڈیئر۔۔۔ رومان خوشدلی سے مسکرایا
مہر اس کے 'ڈیر' کہنے پر ذرا جھینپ گئی۔

وہ تینوں پروفیسر صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ مہر کو اب تک فاطمہ نظر نہیں آئی تھی۔ اس لیے وہ ادھر ادھر دیکھنے میں مصروف تھی۔

پروفیسر صاحب ان دونوں کو بہت پرامید نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

۔۔مجھے امید ہے بیٹا کے آپ دونوں صبح کے بھولے ہوئے کو شام تک گھر پہنچا دو گے۔
پروفیسر صاحب کی بات پر شامیر اور مہر کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔

پھر دروازہ کھلا اور فاطمہ کے پیچھے ایک ویسٹرن لک میں اونچی لمبی اسمارٹ سی لڑکی چلتی ہوئی آئی۔ وہ بلاشبہ سیلن ہی تھی۔

ڈائی کیے ہوئے گولڈن بال جین ٹی شرٹ میں ملبوس وہ بہت کروفر سے چلتی ہے ان تک آئی۔
مہر اور شامیر کو دیکھتے ہوئے اس نے ہائے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

البتہ فاطمہ نے السلام علیکم کہا۔

شامیر نے وعلیکم السلام کہا مہر نے بس مسکرانے پر ہی اتفاق کیا۔

۔۔کیسا رہا سفر آپ کا سیلن۔۔شاہ میر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے انگلش میں بات کی۔

مہر نے پوری آنکھیں کھول کے شامیر کو دیکھا اتنا فرینک تو وہ کبھی مہر سے بھی نہیں ہوا تھا۔ تو کیا وہ اس مغربی لڑکی سے امپریس ہو گیا تھا۔

Itwasgood

سیلن میں اتنا ہی جواب دیا۔

چلو یار نکلتے ہیں پہنچتے پہنچتے بھی گھنٹہ لگ جائے گا۔ شاہ میر نے کہا۔

۔۔۔۔۔۔۔

جیپ شہر کی حدود سے نکل کر صحرائی علاقے میں دوڑ رہی تھی۔ ریت کے اونچے اونچے ٹیلے سردیوں کے موسم میں بھی تپش خارج کر رہے تھے۔

شامیر ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ رومان اس کے ساتھ فرنٹ پے بیٹھا تھا۔

جبکہ مہر اور سیلن پچھلی سیٹ پر براجمان تھیں۔

۔۔ تو بتائیں ہماری ٹور گائیڈ آپ نے سب سے پہلے کے قلع دراوڑ کا ہی انتخاب کیوں کیا؟

رومان نے مہر کو مخاطب کیا۔

گھومنے والی جگھوں کی لسٹ شامیر نے بنائی تھی مگر مہر نے اس لسٹ کو زرا ادل بدل کر دیا تھا۔

۔۔کیوں کہ میں نے سوچا ایک غیر ملکی کے ذہن میں جاتے جاتے ہمارے کھنڈرات ہی نہ رہ جائیں۔۔۔رومان نے سوال اردو میں کیا تھا مگر مہر نے جواب انگلش میں دیا تاکہ سلین کو بھی سمجھ آئے۔

شاہ میر نے اسے thumbsup نظروں سے مہر سے دیکھا۔

سلین استہزائیہ مسکرائی۔اس کو دیکھنے سے ہی لگتا تھا کہ اسے مجبور کر کے لے جایا جا رہا ہے۔

۔۔یہ وہی جگہ ہے نہ جہاں آپ لوگوں کے کسی روایتی کپل کی ڈیتھ ہوئی تھی۔۔ سیلن نے مہر سے پوچھا۔

۔۔ اچھا لگا کہ آپ کو ہمارے ملک کے بارے میں نالج ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ یہ وہ مقام نہیں ہے۔ وہ جگہ بھی اس جگہ کی کوئی رشتے دار ہی ہے۔ یہ چولستان ہے وہ بلوچستان تھا۔ اور وہ کپل سسی اور پنوں تھے۔
مہر نے مسکرا کے کہا۔

سیلن جو یہ ثابت کرنا چاہ رہی تھی کہ وہ مکمل ہوم ورک کے ساتھ آئی ہے۔ اب ذرا ناگواری محسوس کر رہی تھی۔

مجھے رومان شروع شروع میں سنایا کرتا تھا یہاں کی ہسٹوریکل لو سٹوریز ہیر رانجھا وغیرہ۔
۔۔ سیلن نے ایک نظر رومان کو دیکھ کر کہا۔
پھر انہی لو اسٹوریز سے امپریس ہو کر میڈم نے میرے سے شادی کی تھی۔۔ رومان نے ہنس کے کہا۔

بہت اچھی بات ہے۔ تم نے کم از کم اپنی روایات تو کو زندہ رکھا۔۔۔ شاہ میر نے کہا۔

کرتی ہو۔۔۔سیلن نے مہر Appreciate ویسے مہر تم ان میں سے کس کرکٹر کو زیادہ سے پوچھا۔

یہ کسی مووی کے اینیمیٹڈ کریکٹرز نہیں ہیں۔یہ ایسے لوگوں کا عشق ہے۔جن کے حصے میں صرف روح آئی تھی محبت نہیں۔۔۔مہر نے افسردگی سے کہا۔

نہیں میرا مطلب کہ تم ان میں سے کون سا کریکٹر اپنے لیے دیکھتی ہو۔۔۔۔سیلن میں پھر پوچھا۔

میں ان میں سے کسی بھی کریکٹر کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی اس کا محبوب نہیں ملا تھا۔۔۔

اب کی بارشاہ میر نے مہر کے چہرے کو مڑ کر دیکھا تھا۔

قلعہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ کوئی مشکل سے بیس پچیس گھر ہوں گے۔ بنیادی ضروریات سے محروم اس بستی کے کچھ مکین اس انگریز صفت لڑکی کو دیکھ کر قلعہ تک ان کے پیچھے پیچھے آئے۔

سیلن، بھاگ کے جیپ کے پیچھے آنے والے بچوں کی تصویریں بنا رہی تھی۔ بچے خوشی سے سرشار ہوئے جاتے تھے۔

اب اس قلعے کے وجود میں شاہی نہیں بچی ہے۔ بس ہیبت ناک کھنڈر باقی ہے۔

۔۔ یہ کھنڈر دکھانے لائے ہیں آپ لوگ مجھے یہاں۔۔ سیلن نے ناگوار سی نظر ادھر ادھر پڑی اینٹوں پر ڈالی۔

behindthescence۔۔ آپ وہ دیکھ رہی ہیں جو سامنے موجود ہے۔ مگر آپ نہیں دیکھ رہی۔

یہ قلعہ راجپوت خاندان نے بنایا تھا بعد میں نواب الصادق نے اس سے دوبارہ تعمیر کروایا۔ پھر یہ قلعہ بھٹی سے دراوڑ بن گیا۔ اب یہ قلعہ موجودہ وقت میں فوج کی پناہ میں ہے۔ اس کو دوبارہ نئے سرے سے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ تاکہ آنے والے سیاح اس بلند و بالا قلعے کو پھر سے کھنڈر نہ کہہ سکیں۔

قلعے کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں پر سہج سہج کے قدم رکھتی مہر قلعے کا تعارف بتا رہی تھی۔

آپ واقعی میں ہوم واک کر کے آئے ہی۔۔۔ رومان نے کہا

۔۔ نہیں میں بس اپنے اسکول کالج ٹرپ پہ ایک دو بار آئی ہوں یہاں تو ٹیچرز نے بتایا تھا۔ اسے پھر سے اپنے IQ پر فخر ہوا۔

مہر کا پاؤں رومان کی بات کا جواب دیتے ہوئے بے دھیانی میں کسی چھوٹے سے پتھر پر پڑا اس سے پہلے کہ مہر لڑکھڑا کر سیڑھیوں سے نیچے گرتی۔ پیچھے آتے شامیر نے اس کو بچا لیا۔ مہر کے اس پر گرنے سے شامیر دو قدم پیچھے ہوا۔

شامیر کا ایک ہاتھ اسکی کمر اور دوسرا ہاتھ اس کندھے پر تھا۔

شاہ میر کی وجود سے آنے والی وہی سوندھی سوندھی خوشبو سے مہر کا دل دھڑک کر حلق میں آیا۔ اس کے اتنے قریب، اس کے حصار میں، اس کے ہاتھوں کا لمس اپنے وجود پر مہر کو تو دنیا بھول گئ۔ دل کیا وقت تھم جائے وہ پتھر بن کے ہمیشہ کے لیے اس قلعے پہ مجسم ہو جائیں۔ محبت کرنے والے ان کو دیکھ کے عشق سیکھیں۔

کچھ باے باک زلفیں مہر کے چہرے پر ظاہر ہوئیں۔ وہ ہوش میں آئ۔ اس کا اپنا آپ شاہ میر کی مضبوط گرفت میں تھا۔
اس کی نظر اپنے اردگرد ماحول پہ گئ۔

قلعے کے کھنڈر پر بہار اتر آئ تھی۔ ہر ٹوٹی ہوئ اینٹ واپس اپنی جگہ پر جڑھ گئ تھی۔ تپش والی ریت اب خنک ہوگئ تھی۔ چڑیا خوبصورت پھولوں کا تاج بنا لائ تھیں۔
اس سے پہلے کہ وہ تاج ملکہِ عشق کو پہنایا جاتا۔ شاہ میر نے اپنی بے قابو ہوتے دل کے ساتھ اسے سنبھل کر اپنے سے دور کیا۔

مہر نے نظر گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ قلعہ اب دوبارہ سے کھنڈر بن چکا تھا۔ وہاں کوئی چڑیا کوئی تاج نہیں تھا۔

قلعے کے سامنے ایک بہت بڑا تالاب لال پانی سے بھرا ہوا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا پیندا پیتل کا ہے۔ جب قلہ پر حملہ ہوا تو تہ خانوں کے تمام دروازوں کو بند کر کے چابیاں اس تالاب میں پھینک دی گئیں تھیں۔ ان تہ خانوں میں بے شمار خزانے موجود تھے۔ جو بھی چابیاں حاصل کرنے کے لئے اس تالاب میں جاتا تھا زندہ واپس نہیں آتا تھا۔

قلعے کے قریب ہی جامعہ الصادق مسجد موجود ہے۔ جو خوبصورت سفید پتھروں سے مزین ہے۔ آس پاس نہ ہونے کے برابر آبادی صحرائی زرد ریت کے بیچوں بیچ سے یہ مسجد خوبصورت شاہکار لگتی ہے۔ مسجد کے صحن میں ایک ایسا سفید پتھر بھی ہے۔ جو سورج کی حدت سے بھی گرم نہیں ہوتا۔

وہ سب مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے۔ مہر اور شامیر نے وہاں عصر ادا کی اور نفل پڑھے۔

۔۔۔۔اپنے ہم نوا کے عقب میں نماز پڑھنا خدا کی حمد و ثنا بیان کرنا باصدقِ یقین ایک خوبصورت احساس ہے۔ بلاشبہ انسان اپنے رب تعالیٰ کی کسی نعمت کو بھی جھٹلا نہیں سکتا۔

فاطمہ نے کھانے کے لیے کچھ سینڈوچیز میکرونی وغیرہ بنا دیے تھے۔
سیلن اور رومان دستر خوان پر کھانے کی چیزیں سجا چکے تھے۔ سب کھانے میں مصروف تھے۔

۔۔۔مجھے تو یہاں کوئی بھی خاص بات نہیں لگی۔۔۔
don'tsaythat...
سیلن کی بات سن کر پاس سے گزرتے ایک مجاور نے کہا جو وہاں مسجد میں ہی رہتا تھا۔
مجاور کے اس طرح انگلش میں جواب دینے پر سب نے حیرانی سے اس کو دیکھا۔
وہی ان سے تھوڑی ہی دور وہ بیٹھ گیا۔ حلیہ سے وہ پچاس سال کا مرد بالکل وہیں کا رہائشی لگتا تھا۔

بڑھے ہوئے گندے بال، لمبی داڑھی، پھٹے پرانے کپڑے۔ مگر اس کی زبان اس کا لہجہ بالکل وہاں کا نہیں تھا۔

۔۔۔آپ یہاں کے نہیں لگتے۔۔ رومان اٹھ کر اس کے پاس گیا۔

میں یہاں کا ہو بھی نہیں۔۔۔ اس کا چہرہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا۔

پھر آپ اس ویران جگہ پر۔ پڑھے لکھے لگتے ہیں آپ۔۔۔

میں پڑھا لکھا ہوں۔۔۔۔

آپ اس بیابان جگہ پر کب سے ہیں۔۔۔۔؟

پچھلے ساڑھے سات سال چھ مہینے اور تیئس دن سے۔۔۔
اب مہر اور شاہ میر بھی اس کی طرف اٹھ کر آئے تھے۔

کیا آپ کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے ؟ ۔ ۔ ۔ شا میر نے کہا

میرا خاندان فیصل آباد میں ہے ۔ ایک وعدہ مجھے یہاں کھینچ لایا ہے ۔ میں بھی وعدے کی پاسداری میں خود کو دنیا مافیہا سے بے گانہ کر لیا ۔ ۔ ۔ اب وہ مجاور ہنس کے بتا رہا تھا ۔ جیسے اسے اپنے وعدے پر بہت فخر ہو ۔

کس سے کیا تھا آپ نے وہ وعدہ ؟ ۔ ۔ ۔ مہر نے پوچھا

سکھاں سے ۔ اس نے کہا تھا صابر وعدہ کر کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑے گا ۔ دیکھو میں نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا ۔ ۔ ۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیر نے لگا ۔

اب کہاں ہیں آپکی سکھاں ؟ ۔ ۔ رومان نے پوچھا

وہ سامنے قبرستان ہے نا اس میں۔۔۔۔اس نے سامنے کی طرف انگلی کر کے اشارہ کیا

جس دن میں یہاں آیا تھا نا اس نے مجھے دیکھ کر پتہ ہے کیا کہا تھا۔۔۔۔اس نے شامیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

لگتا ہے صابر تم نے میری موت پہ صبر کر لیا ہے۔ دیکھو کیسے شہری بابو بن کر آئے ہو۔۔۔ آنسو اس کی آنکھوں سے اب اس کے چہرے پر آ گئے تھے۔

ان کی موت کیسے ہوئی تھی۔۔۔؟ شاہ میر نے پوچھا

اپنوں نے دغا کیا تھا۔۔۔۔ مجاور کی آنکھوں سے آنسو تواتر گر رہے تھے

میں فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔ یہاں بہاولپور میں۔۔۔ سکھاں یہاں کے نواب کی بیٹی تھی۔ پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن۔ بہت لاڈ پیار سے پالا تھا اسے۔ وہ اکثر ہماری ٹریننگ دیکھنے اپنے بھائی کے ساتھ کیمپ آیا کرتی تھی۔

ایک دن اس کی ایک ملازمہ نے مجھے اس کا خط دیا۔ پھر ہماری محبت شروع ہوگی۔
جلد ہی اس کے گھر والوں تک خبر پہنچی۔ انہوں نے اس کی شادی کہیں اور طے کردی۔ وہ کسی طرح حویلی سے بھاگ نکلی اور میرے پاس کیمپ آگئی۔ میں اسے عزت کے ساتھ بیانہ چاہتا تھا۔ مگر وہ جھلی واپسی کے راستے بند کر آئی تھی۔ میرے فوجی دوستوں نے مل کر ہمارا نکاح پڑھا دیا۔ میں اسے اپنے ساتھ اپنے شہر لے گیا۔

گنگا چین ہی چین لکھ رہی تھی۔ خدا نے مجھے بہت پیارا پتر بھی دیا۔۔۔
پتا ہے صاحب وہ بالکل سکھاں جیسا تھا۔ اس کی آنکھیں کیا چہرے کا اک اک نقوش سب ماں کا تھا۔
پھر میری معصوم سکھاں خوش نہیں رہتی تھی۔ اپنے ماں باپ بھائیوں کو یاد کرتی تھی۔
ہمارے گھر میں پہلی بار ٹیلی فون لگا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے گھر فون کیا۔
پھر گھر والے آئے انہوں نے ہم سے صلح کرلی۔ ہمیں دعوت دی کہ ہم بھی ان کے گھر آئیں۔
میری نوکری دوبارہ سے شروع ہوگئی تھی۔

مجاور کی اب رو رو کے ہچکی بندھ گئی تھی۔

میں نے اسے کہا کہ تم بہاولپور پہنچ جاؤں میں یہاں سے آجاؤں گا۔
مگر ان ظالموں نے میرے بیوی بچے کو وہی سڑک پر ہی ماردیا۔ پھر کہتے تھے کہ ڈاکو پڑ گئے تھے۔ مگر مجھے سکھاں خود بتاتی ہے۔ اس کے دو بھائیوں نے اس کو اور میرے ڈیڑھ سال کے پتر کو گولیاں ماری تھیں۔ کاس مجھے بھی مار دیتے مگر میں فوجی تھا۔ فوج والے انکو کبھی نہ چھوڑتے۔ ہک ہا۔۔۔۔
پھر مجھے فوج والے لے گئے پھر میں پاگل ہوگیا میرے گھر والوں نے مجھے پاگل خانے بھیج دیا۔۔۔۔
مگر میں پاگل نہیں ہوا تھا مجھ سے سچ میں سکھاں ملنے آتی ہے صاحب۔ میں پاگل خانے سے بھاگ کر یہاں آگیا۔
لوگ میرے پاس اب دم کروانے آتے ہیں۔
اب کی بار مجاور نے ہنس کے کہا۔
پتا نہیں ان کو شفا ہوتی ہے کہ نہیں پر لوگ آتے ہیں دم کروانے۔

مہر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ جو پیروں کے بل بیٹھی تھی۔ اب زمین پر ڈھے گئی تھی۔

شامیر نے تڑپ کے مہر کو دیکھا۔

وہ آنسو صاف کر رہی تھی۔

مجاور کچھ دیر روتا رہا۔ پھر بولا

آپ لوگ مغرب سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ آپ لوگوں کا رات تک یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔

مہر نے سیلن کی طرف دیکھا وہ سامان پیک کر رہی تھی۔ مہر بھی اس کی مدد کرنے چلے گئی۔

شامیر اٹھ کے جانے لگا تو مجاور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

عشق کے مقدر میں گھائل ہونا پکی سیاہی سے لکھا جاتا ہے۔ پھر عشق کے زہر کا تریاق تو منصور تبریز اور سرمد کے پاس بھی نہیں تھا۔ اس لیے تو قربان ہو گئے۔ خیال رکھو اپنا بھی اور اس کا بھی۔ ابھی تم دونوں کی راہ بہت لمبی ہے۔

شاہ میر کا کلیجہ کٹ گیا اس نے تڑپ کے مہر کو دیکھا۔
مہر کے چہرے پر ابھی بھی اداسی تھی۔

شاہ میر کو وہیں چھوڑ کر وہ مجاور مسجد کے حجرے کی طرف بڑھ گیا۔

مہر گاڑی میں آتے ہی آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ سب مجاور کی کہانی سن کر پریشان تھے۔
وہ لوگ سات بجے تک شہر پہنچے۔ شاہ میر نے رومان اور سیلن کو گھر ڈراپ کیا۔ اس نے مڑ کر سے مہر کو دیکھا۔
وہ گاڑی میں ہی سو گئی تھی شاید۔ شاہ میر بہت احتیاط احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ کہ کہیں مہر کی آنکھ نہ کھل جائے۔
شاہ میر نے گھر سے تھوڑا دور گاڑی ایک سائیڈ پر روک دی۔
وہ چہرہ موڑ کے مہر کو دیکھ رہا تھا۔ سوتے ہوئے وہ کسی خوبصورت محل کی راجکماری لگ رہی تھی۔
اس نے مہر کے ہاتھ کو چھونے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر کسی خیال کے تحت رک گیا
وہ ڈیڑھ گھنٹہ اسے رخ موڑے سوتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اس کے گردن میں بل آگیا تھا۔ مگر وہ اسے دیکھتا رہا جب تک مہر اٹھ نا گئی۔

گاڑی یہاں کیوں روک دی آپ نے۔ کیا وہ لوگ کہیں گئے ہیں۔ ؟
مہر نے ونڈو سے پار دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نہیں ان کو گھر اتار دیا ہے۔ میں کال پہ بات کر رہا تھا تو گاڑی روک دی۔۔۔ شامیر میں دوبارہ گاڑی سٹارٹ کر دی۔

مہر پیچھے سے اٹھ کر فرنٹ پہ بیٹھ گئی۔

۔۔ کیا واقعی سکھاں ان سے ملنے آتی ہوگی۔۔ ؟

پتہ نہیں۔۔۔ شامیر کا چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی۔

کیوں نہیں ہوتی۔۔۔۔ مہر happyending محبت میں ہمیشہ ایسے ہی کیوں ہوتا ہے۔
اداس تھی بہت۔

سب نصیب کے کھیل ہیں۔کسی کو بن مانگے ہی مل جاتا ہے اور کوئی ساری عمر بھی
ادھورارہ جاتا ہے۔۔۔شاہ میر کا لہجہ مہر کو مزید دکھی کر گیا۔

زین کمرے میں آیا تو ایمان بیڈ سے ٹیک لگائے اپنی ہی دنیا میں مصروف بیٹھی تھی۔
گھڑی اتار کر ٹیبل پر رکھی اور
ایمان کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گیا۔ایمان ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔
۔۔۔
مجھے لگتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ تمہارا پیار کم ہوتا جا رہا ہے۔۔۔۔ذین نے ایمان کے
ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

نہیں نہیں تو ایسا کیوں لگا آپ کو۔۔۔

تمہیں شوہر نامدار کے آنے کی خبر جو نہیں ہوئی۔۔۔ذین ذرا مسکرایا

سوری۔۔۔ویسے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ میرے پیار میں کمی آئے۔۔۔ایمان کی انگلیاں زین کے بالوں کا مساج کرنے لگیں۔

مجھے پتا ہے میری جان۔۔۔زین نے ایمان کے خوبصورت ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگایا۔

اچھا بتاؤ کیا سوچ رہی تھی۔۔ذین اٹھ کے اب ایمان کے سامنے بیٹھا۔

کچھ نہیں بس تایا سرکار نے جو۔۔۔۔۔۔
وہ بات کرتے ہوئے ذرا رکی

شامیر بھائی کے لئے جو فیصلہ کیا ہے اس لیے پریشان ہونا۔۔۔ذین نے ایمان کی بات کاٹی

For more visit (exponovels.com)

میں نے کی تھی بات ان سے جب وہ یہاں آئے تھے۔ مگر ابھی وہ بہت غصے میں ہیں۔ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں ہے۔

مجھے لگتا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا غصہ کم ہو جائے گا۔ مگر ایمان آپ مجھے بھی ڈر لگنے لگا ہے کہ کہیں بابا جان کا غصہ شامیر بھائی کی زندگی نہ خراب کر دے۔

ذین روزانہ کی طرح ہشاش بشاش نہیں تھا۔

۔۔۔میں ایک دفعہ خود تایا سرکار سے بات کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ایمان نے جیسے اجازت مانگی تھی۔

یہ غلطی کبھی مت کرنا۔ تم جانتی ہو نہ ان کو لڑکیوں کا اس طرح بات کرنا پسند نہیں۔ بات کو تو چھوڑو اگر انہیں علم ہوگیا کہ ہم دونوں آپس میں محبت کرتے ہیں۔ تو پتا نہیں کیا کر بیٹھیں گے۔۔۔۔

۔۔۔کیا کریں گے زیادہ سے زیادہ ہماری شادی ہوگئی ہے۔ ہمارا بچہ دنیا میں آنے والا ہے۔۔۔اب کیا کرلیں گے وہ؟

ایمان کہ لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

وہ اب بھی بہت کچھ کرسکتے ہیں ایمان۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں ساری عمر دیکھیں تک نہیں۔ ہم پہ محل کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کردیں۔۔۔۔۔

۔۔۔ٹھیک ہے پھر ہم سے نہ کوئی تعلق رکھیں۔ نہیں جایا کریں گے ہم گاؤں۔ کم ازکم کوئی بے قصور ہماری وجہ سے سزا تو نہ بھگتے۔۔۔

ایمان اب مزید دل پہ یہ بوجھ نہیں رکھ سکتی تھی۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد بابا شامیر کو معاف کر دیں گے۔ میں ان کو منا لوں گا۔

ذین نے ایمان کا گال نرمی سے چھوا

ایمان ذرا سا مسکرائی۔

ویسے تم کچھ زیادہ ہی ڈیئرنگ باتیں نہیں کرنے لگی۔۔۔

دیکھ لیجئے آپ کی ہی کمپنی کا اثر ہے۔۔

دونوں نرمی سے مسکرا دیے۔ ہستی رہا کرو پیاری لگتی ہو۔ رومان نے اس پر محبت نشاور کرنے کے لیے اس کے قریب ہوا۔

شامیر کو اس مجاور کی کہانی نہ جانے کیوں بے چین کر رہی تھی۔ صابر یہ نام اس نے کہیں سن رکھا تھا۔

مہر عشاء کی نماز کے بعد اپنے لئے کافی بنانے آئی تو ایمان مہر کو دیکھ کر وہی کرسی پر بیٹھ گئی۔

کیسا جا رہا ہے۔۔۔۔ ایمان نے پوچھا

کیا۔۔۔۔ مہر نے کافی مگ میں ڈالتے ہوئے کہا

جاگتے میں خواب دیکھنا۔۔
ایمان کی بات پر مہر کے مگ اٹھاتے ہاتھ وہیں رک گئے۔

کک۔۔کیا مطلب۔۔
مہر کی چوری پکڑی گئی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

تم دونوں ایک دوسرے کے لیے نہیں ہو۔ تم غلط جگہ فٹ ہونے کی کوشش کر رہی ہو مہر۔ وہ تمہیں تکلیف دے گا۔

ایمان نے مہر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا۔

نہیں وہ مجھے کبھی تکلیف نہیں دے سکتے۔۔ مہر میں نے دھیرے سے کہا

تم آزاد خیال لڑکی ہو وہ روایات میں جکڑا ہوا ایک ٹپیکل مرد ہے مہر۔ ایسے مردوں عورتوں کو کبھی آزادی سے جینے نہیں دیتے۔
روایات میں بندھے ہوئے مرد عورت کو بس پیر کی جوتی سمجھتے ہیں۔ عورت ایسے مردوں کے لیے گھریلو مشین سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی بچے۔

زین بھی تو اسی خاندان کے ہیں نا۔ وہ تو ٹیپیکل نہیں ہونگے آپ کی نظر میں۔۔

۔۔۔اپنے محبوب کی برائیاں بھی اچھایاں لگتی ہوتی ہیں۔ محبت کی تو پہلے شرط ہی یہی ہوتی ہے کہ تمام برائیوں کو دل کے کسی ویران کونے میں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جائے۔
محبت جی حضوری کرواتی ہے۔ جی حضوری کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے امیر کی برائیاں ڈھونڈیں۔۔۔۔

پھر مہرا اپنے محبوب کے بارے میں غلط کیسے سنتی۔

ذین اس خاندان کے ضرور ہیں مگر وہ ویسے نہیں ہیں۔ سارا دن میرے آگے پیچھے گھومتے ہیں تم دیکھتی ہو۔ میرا کتنا خیال رکھتے ہیں۔
کیا تم نے کبھی گاؤں میں کسی ایسے مرد کو دیکھا ہے۔ جو بیوی کو ایسے مان دیتا ہو۔

۔۔شامیر بھی ویسے مرد نہیں ہیں آپی۔ آپ انہیں نہیں جانتی مگر وہ بہت اچھی نیچر کے مالک ہیں۔ سب کی بہت کیئر کرتے ہیں۔

میرا بچہ تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ رسم و رواج تمہیں اُس محل میں قید کر دیں۔

آپی آپ بھی اسی محل کا حصہ ہیں اب۔۔۔
مہر نے ایک اور دلیل دی۔

حصہ ہوں مگر ہم وہاں نہیں رہیں گے۔ زمان لالہ نے جو بزنس سٹارٹ کیا ہے یہاں شہر میں اسے ذین ہی سمبھالیں گے۔ اگر انہیں ہمارے لئے سٹینڈ لینا پڑا تو وہ لینگے لیکن کبھی مجھے اس محل میں قید ہونے کے لئے نہیں چھوڑیں گے۔۔۔ ایمان نے فخر سے اپنے شوہر کی حمایت کی

۔۔کاش زین بھائی نے تب بھی سٹینڈ لیا ہوتا تو آج شامیر ایسے تنہا نہیں ہوتے۔

ایمان کو یہ بات کچھ خاص پسند نہ آئی۔

ذین آرہے تھے ہمارے بابا سے بات کرنے مگر میں انہیں روکا تھا۔ مہر تم ہماری زندگی کو مت دیکھو ہمارا وقت گزر گیا ہے۔ ہم خوش ہیں اپنی زندگی میں۔
تم میری چھوٹی بہن ہو مجھے بہت عزیز ہو۔ میری جان میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکوں گی۔
اس پر پیری فقیری سجتی ہے وہ محبت نہیں کر سکے گا۔ اس کے پیروں میں تایا سرکار کی باندھی ہوئی بیڑیاں ہیں۔ اور وہ خود ان بیڑیوں سے نہیں نکلنا چاہتا۔ ورنہ اب تک سب کو سچ بتا چکا ہوتا۔ اس نے گدی کے لئے خود کو مجرم بنا لیا مگر سچ نہیں بولا۔

شامیر نہ جانے کب سے یہ باتیں سن رہا تھا۔ اب مزید ضبط نہیں بچا تھا۔ کسی ہارے ہوئے سپاہی کی طرح اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
درازہ بند کر کے وہیں ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ سر گھٹنوں میں دے لیا۔ شاید زمانے سے اپنی وحشت چھپا رہا تھا۔

۔۔ یا اللہ۔۔ میں نے تو آج تک کسی کا بھی دل نہیں دکھایا۔ بلکہ جن کے دل جوڑ کر خود برا بنایا وہ بھی مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ میں کبھی بھی یہ گدی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپنے باپ

دادا کی لاج رکھی۔ دنیا خود پے حرام کی۔ اور آج وہی دنیا مجھ مجھ پے سنگباری کرتی ہے مجھے گدی کا لالچی سمجھتی ہے۔ کاش میں ان نام نہاد رشتوں سے دور ہو سکتا۔

ایک لمبا چوڑا رعب و دبدبے والا مرد آج خدا کے سامنے دل کھولے بیٹھا تھا۔

مہر بہن کی باتوں سے بہت پریشان ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی وضو کیا اور جائے نماز پر کھڑی ہوگی۔
آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ حاجت کے نفل ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیئے ہاتھ بلند کیے۔

۔۔ اے پروردگار تو میرے تمام ترجزبوں سے واقف ہے۔ میرے جذبوں میں رتی برابر بھی کھوٹ نہیں۔مجھے شامیر پر پورا یقین ہے۔ یا اللہ میں تجھ سے تیرے ہی بنائے ہوئے بندے کی طلب کرتی ہیں۔ یا الہی جنتی جوڑوں کے صدقے اس دنیا میں میرا جوڑ شامیر کے ساتھ لکھ دیں۔ میں آخرت میں بھی ان کے ساتھ اٹھائی جاؤں۔

عورت محبت میں جنت تک کے خواب دیکھ لیتی ہے۔ پھر چاہیئے مرد اس کی دنیا جہنم کر دے۔

اگلی صبح شامیر ناشتے کے لیئے نہیں آیا تھا۔
ایمان نے اس کا ناشتہ ملازمہ کے ہاتھوں کمرے میں بھجوایا۔
مہر نے موقع غنیمت جان کر ناشتے کی ٹرے پکڑی اور دروازے پر دستک دے کر اندر آئی۔

شامیر مہر کو دیکھ کر اٹھ کے بیٹھا۔

السلام علیکم گڈمارننگ۔۔ مہر نے بات شروع کی

وعلیکم اسلام۔۔شامیر کا اندازا جنبیوں جیسا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

آپ آج ناشتے کے لیے نہیں آئے۔۔ مہر کو اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی لگیں۔

آنکھ دیر سے کھلی تھی۔۔ وہ اپنی آنکھیں مہر سے چھپا رہا تھا۔

تو آج ہم نور محل جا رہے ہیں؟۔۔۔ مہر نے شامیر کی طرف دیکھا

نہیں وہ آج شاپنگ کرنا چاہ رہے ہیں۔۔

ہم جا رہے ہیں کیا ان کے ساتھ۔۔۔ مہر نے پوچھا۔

نہیں۔۔ رومان خود ہی لے جائے گا۔

اچھا ویسے مجھے لگتا ہے۔ انہوں نے لو میرج نہیں کی۔ کسی نے ان کی باندھ کے شادی کر دی ہو جیسے۔۔ مہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

کیا مطلب ؟۔۔۔شامیر میں حیران ہوں کہ اسے دیکھا۔

سیلن بہت پریکٹیکل لڑکی ہے۔ اسے محبت وغیرہ سب کتابی باتیں لگتی ہیں۔ پھر پتہ نہیں اس نے رومان بھائی سے شادی کیسے کرلی۔
مہر سوچ سمجھ کے بول رہی تھی۔

ہوسکتا ہے۔ تم کھانا یہاں چھوڑدو۔ میں کھالوں گا۔۔وہ دو لفظی بات کرکے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔
58
مہر تمام دن کتابوں میں سر دیے ٹیسٹ کی تیاری میں مصروف رہی۔ شامیر گاؤں چلاگیا تھا۔
مہر ایمان سے چھپتی پھر رہی تھی اور شامیر مہر سے۔۔۔۔

۔۔ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ کیونکہ

عشق اس موذی مرض جیسا ہوتا ہے جو نا صرف چھونے سے پھیلتا ہے بلکہ سانس لینے پر
چھوڑ جاتا ہے۔ symptoms بھی اپنے
زہر کا علاج زہر سے ممکن ہے مگر عشق کے ڈسے کا علاج خود عشق بھی نہیں کر سکتا۔ علاج
کیلیئے اسی آستین کے سانپ کی ضرورت ہوتی ہے جسے عشق سمجھ کے پالا گیا ہوتا ہے۔۔

دو دن بعد وہ چاروں نور محل موجود تھے۔
یونانی طرز تعمیر پر مشتمل اسلامی فن تعمیر سے متاثرہ زاویہ دار پانچ گنبد، قدیم یونانی شہر
کورنتھ کی طرز کے ستون، سرسبز شاداب بڑے باغیچوں میں گھرا ہوا یہ محل نواب دور کی
سلطنت کا عظیم شاہکار ہے۔

کرسٹل کے لٹکتے ہوئے بڑے بڑے فانوس، قوس و قزح طرز کی چھتوں کی سیلنگ
، دیواروں پر نواب خاندان سے تعلق رکھنے والی تصاویر، بیڈرومز بہت ہی دلکش فرنیچر سے
آراستہ آنے والوں کی کشش بھرپور طریقوں سے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اب یہ محل
بھی فوج کی پناہ گاہ میں ہے۔۔

سیلن ستائشی نظروں سے محل کا جائزہ لے رہی تھی۔
مہر اس محل کو اپنے موبائل کیمرے سے capture کر رہی تھی۔
نا جانے وہ کہاں کہاں کس کس اینگل سے شامیر کو بھی captur کر چکی تھی۔

نواب خاندان کے مجسمے نواب خاندان کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔ شامیر بہت غور سے ان مجسموں کی جانچ پڑتال کر رہا تھا۔

مہر نے سوچا کہ کاش وہ بھی کوئی مجسمہ ہوتی۔ کم از کم اس کے دل کا مالک اس پر ایک نظرِ محبت تو ڈالتا۔

اس کے بعد وہ گلزار محل پہنچے۔ گلزار محل کی لائم سٹون کلر کی عمارت آنے والے سیاحوں کو بھاتی ہے۔ یہ محل نواب بہاول خان نے اپنی بیوی کے لیے بنوایا تھا۔ اس محل کی طرز تعمیر بالکل نور محل جیسی ہے۔ مگر یہاں لاطینی فن تعمیر کی بھی جھلک نظر آتی ہے۔

شامیر آج چپ تھا۔ رومان سے بھی زیادہ باتیں نہیں کر رہا تھا۔ مہر کو اس کی چپ پریشان کر رہی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ دربار محل میں موجود تھے۔ مہر اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ کسی نہ کسی برآمدے میں گم ہوجاتا۔
یہ محل بھی نواب خاندان کی سلطنت کی حسین داستان پیش کرتا ہے۔ لال اینٹوں سے آراستہ لاہور شاہی قلعے کی طرز تعمیر جیسا محسوس ہوتا ہے۔ اس محل کے چار گنبد ہیں جو کہ چھوٹے چھوٹے برآمدوں پر مشتمل ہیں۔
چھت دودھیا سفید کلر کی عکاسی کرتی ہے۔ جبکہ دیواریں اور ملحقہ حصہ سرخ رنگ سے آراستہ ہے۔

مہر محل سے منسلک ایک باغ میں بیٹھی کسی بچے سے مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔ شامیر اسے محل کی کھڑکی سے دیکھ رہا تھا۔
محل کی کھڑکی میں کھڑا وہ بھی نواب خاندان کا کوئی سلطان لگ رہا تھا۔

اس محل میں کم از کم اسی کھڑکیاں ہیں جو کہ چودھویں صدی کی اسلامی روایات کی عکاسی کرتی ہیں۔

شامیر کے کانوں میں ایمان کی باتوں کی بازگشت ہوئی۔ وہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔

رومان اسے اداس دیکھ کر اس کے پاس آیا۔

۔۔میں جب سے آیا ہوں تمہیں کہیں نہ کہیں کھوئے ہوئے دیکھتا ہوں کیا بات ہے؟۔۔

نہیں کوئی بات نہیں ہے۔۔۔شامیر محل میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

۔۔وہ اچھی لڑکی ہے۔ اور شاید تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔
رومان کی بات پر شامیر پوری نے آنکھیں کھول کر حیرانی سے دیکھا۔ رومان کھڑکی کے پار مہر کو دیکھ رہا تھا۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔اس نے بات ختم کر کے قدم بڑھائے تو رومان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

مجھے نظر آتا ہے۔ جیسے تم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہو۔ وہ لڑکی کے شاید اپنے جذبوں کا اظہار کرنے میں جھجھک محسوس کر رہی ہے مگر تمہیں اس سے بات کرنی چاہیے۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔ تم لوگوں کے خاندان میں ویسے بھی لڑکیوں کی جلدی شادی ہو جاتی ہے۔۔۔
رومان کی بات پر شامیر کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا اس نے بے اختیار مہر کو دیکھا۔

۔۔ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ تم جانتے ہو۔ خیر تم مجھے چھوڑو یہ بتاؤ کہ سیلن سے تمہارا کیا مسئلہ ہے۔جس محبت کا تم رونا روتے ہو وہ نظر تو آتی نہیں۔۔۔شامیر نے جیسے رومان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔
59.
تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔ رومان اکڑ کے بولا

نظر آتا ہے ہمیں۔۔۔

ہمیں مطلب۔۔رومان لفظ 'ہمیں' پر اٹکا

مہر کو بھی ایسا ہی لگتا ہے۔۔۔شامیر نے جواب دیا۔
رومان خاموش رہا۔

اب کیا تو میرے سے بھی باتیں چھپائے گا۔۔شامیر ذرا غصہ ہوا۔

نہیں میں بس بتانے والا تھا۔۔۔رومان تیزی سے بولا۔

۔۔مطلب سچ میں کچھ دال میں کالا ہے۔مہر صحیح کہتی ہے۔چل اب جلدی سے بتا کیا ہوا۔
شامیر خلافِ معمول ایک ہی سانس میں بہت سارے جملے بول گیا۔

For more visit (exponovels.com)

ہماری شادی کنٹریکچول ہے۔۔۔رومان نے آس پاس دیکھ کر کہا جیسے کوئی سن نہ لے۔

شامیر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

۔۔ترکی میں میرے کسی کلاس فیلو نے ہی مجھے پھسانے کے لیے میرے تمام ڈاکیومنٹس چرا لیے تھے۔وہ مجھے ڈیپورٹ کرنے والے تھے۔ سیلن نے میری مدد کی۔
سیلن کے والد بزنس ٹائیکون تھے۔انہوں نے وصیت میں لکھا تھا کہ اگر وہ کسی خاندانی مسلمان لڑکے سے شادی کرے گی تو ہی جائیداد اسے ملے گی ورنہ کسی چیرٹی میں دے دی جائے گی۔میں سیلن سے محبت کرنے لگا تھا۔
مجھے لگا میرے ساتھ یہ حادثہ اس لیے ہوا کہ اللہ مجھے میری محبت سے ملانے جا رہا تھا۔مگر محبت کے صحیفوں میں محبت کبھی ملتے نہیں دیکھی۔پھر مجھے کیسے مل جاتی۔
یہ پانچ سالہ کنٹریکچوئل شادی ہے۔جسے سب محبت سمجھ رہے ہیں۔پانچ سال بعد اسے property مل جائے گی تو وہ اپنے بوائے فرینڈ ایمرے سے شادی کرلے گئ۔

رومان کے چہرے پر کچھ ایسا ضرور تھا جو شامیر کو پریشان کر رہا تھا۔

پھر تم اسے یہاں کیوں لائے ؟۔۔۔۔

ویسے ہی مجھے لگا پاکستان گھوم لے گی۔۔۔۔ رومان نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

غلط۔۔۔ تمہیں لگا کہ وہ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزار کے تم سے محبت کرنے لگے گی۔

اب کی بار حیران ہونے کی باری رومان کی تھی۔ اس اس لئے وہ کچھ نہیں بولا۔

ہم مشرقی لوگ لاعلاج ہوتے ہیں۔ جہاں محبت کی گنجائش ہی سرے سے پیدا نہیں ہوتی۔
وہاں ہم دل کا روگ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

وہ دوست تھے مگر قسمت ایک جیسی لکھ لائے تھے۔
ایک کی دسترس میں محبت تھی۔ مگر اسے اجازت نہیں تھی۔

دوسرے کے دل میں محبت تھی مگر دسترس میں نہیں تھی۔ کیسے راستے کے مسافر تھے منزل سامنے نظر تو آتی تھی۔ مگر پہنچ سے باہر تھی۔

وہ نو بجے کے قریب ایک ہوٹل میں ڈنر کے لیے بیٹھے تھے۔
شامیر چپ تھا اس لیے مہر بھی چپ تھی۔ رومان بھی اپنی آپ بیتی پر افسردہ تھا۔
سیلن سے خاموشی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
thankGodiamnotborninanytraditionalfamily۔۔

Otherwisemylovewouldhaveremainedincomplete.

خدا کا شکر ہے میں کسی روایتی خاندان میں پیدا نہیں ہوئی ورنہ میری محبت بھی ادھوری رہ جاتی۔

شامیر نے فوراً رومان کو دیکھا۔

۔۔آپ خوش قسمت ہیں بالکل۔۔مگر آپ میں اور ہم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

مہر سیلن کو اسی کی زبان میں جواب دے رہی تھی۔

۔۔۔ہم ایسٹرن لڑکیاں محبت کے نام پر من پسند شوہر مانگتی ہیں۔اس کے لیے بھے اللہ سے رجوع کرتی ہیں۔اگر محبت حاصل نہ ہو تو نصیب سمجھ کے خوش ہو جاتی ہیں۔اچھی لڑکیاں ماں باپ کی عزت کی لاج رکھتی ہیں۔مگر آپ جیسی ماڈرن لڑکیاں محبت کے نام پر بوائے فرینڈ بناتی ہیں۔
یہاں تعلق روح کی بھی حد سے آگے کے ہوتے ہیں۔مگر آپ کے ہاں تعلق دنیاوی ضروریات پر مبنی ہوتے ہیں۔رشتہ وہاں تک مطلب جہاں تک۔

سیلن نے ایک ناگوار نظر مہر کو دیکھا۔

کیونکہ ہم ٹپیکل لوگ نہیں ہیں۔ہم براڈ مائنڈڈ ہیں۔۔

۔۔اگر اپنی حدود سے تجاوز کرنے کو آپ براڈ مائنڈ ہونا کہتی ہیں تو معذرت کے ساتھ ہمیں پھر ٹپیکل ہونے پر فخر ہے۔۔۔مہر نے تسلی سے جواب دیا۔

کیسی حدود۔ خود کو نام نہاد رشتوں پر قربان کر دینا۔ ہم ایک وقت میں ڈھیر سارے رشتوں کو تو خوش نہیں کر سکتے۔۔۔سیلن استہزائیہ مسکرائی۔

۔۔جو اللہ کی بنائی ہوئی حدود سے تجاوز کرتے ہیں ان کے حصے میں کچھ نہیں آتا۔ نام نہاد رشتے بھی نہیں۔ خاندان کیا ہے ان سے پوچھیے جن کے پیچھے رونے والا کوئی نہیں ہوتا۔۔۔مہر کو سیلن کی باتیں ذرا بھی پسند نہیں آ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ بحث مزید بڑھتی۔ رومان نے ترک زبان میں سیلن سے کچھ کہا۔
Baskalariylatartismayin.
Iliskiliredegerverirler
ان سے بحث مت کرو یہ رشتوں کی قدر کرنے والے لوگ ہیں

۔۔۔۔۔۔۔۔

مجھے افسوس ہو رہا ہے ایمان تمہاری سوچ پر۔۔۔

ایمان زین کو مہر اور شامیر کے متعلق بتا رہی تھی۔ ذین کو ایمان کی سوچ پر افسوس ہوا۔

۔۔میں شامیر کو برا نہیں کہہ رہی۔ مگر اس کی نیچر اور مہر کی نیچر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شامیر ٹپیکل مرد ہے مہر آزاد خیال لڑکی ہے۔ بس میں اتنا سمجھانا چاہ رہی آپ کو۔۔۔ ایمان نے ذین کا ہاتھ پکڑا

۔۔اسی ٹپیکل مرد کی وجہ سے آج ہم ساتھ ہیں۔ مت بھولو۔ اور تم جو اتنا اس کے لیے پریشانی کا دکھاوا کرتی تھی وہ کہاں گئ پریشانی اب؟۔

ذین کیسے بھائی کے خلاف بات سنتا۔

۔۔میں ابھی بھی اس کی خوشی کے لئے دن رات دعائیں کرتی ہوں۔ اس لئے چاہتی ہوں کہ اس کی شادی مہر سے نہ ہو تاکہ وہ دونوں خوش رہیں۔۔

بس ایمان بس۔ وہ بچے نہیں ہیں سوچ سمجھ کے ہی اپنی زندگی کا فیصلہ کریں گے۔ بہتر ہے
تم ان کے معاملے سے دور رہو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی اور کی وجہ سے ہماری زندگی متاثر
ہو۔ اور ہو سکے تو دوبارہ یہ بات مت کرنا۔۔۔
ذین اس پر تاسف بھری نگاہ ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔

شامیر رومان اور سیلن کو گھر ڈراپ کر کے مہر کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔

دیکھا۔۔ آج آپ کو اندازہ ہوا نہ سیلن کی باتوں سے وہ کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکتی۔
she'smaterialisticgirl
مجھے نہیں لگتا کہ وہ کبھی یہاں رہنے کے لئے تیار ہو گئی۔مجھے پروفیسر صاحب کے لئے
افسوس ہے۔۔۔ مہر سیلن پر تبصرہ کر رہی تھی۔

۔۔تم سہی تھیں۔ ان کے درمیان محبت نہیں ہے۔
وہ کنٹر یکچوئل کی شادی ہے۔بس۔

جیسے جیسے شامیر اسے تمام سٹوری سناتا جا رہا تھا مہر حیرت کے سمندر میں غرق ہوتی جا رہی تھی۔

کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ مہر گردن اکڑا کر بولی۔ telepathy۔۔ میری

مگر رومان بھائی کے لیے دکھ ہوا۔ شاید ہم مشرقی لوگوں کے نصیب میں محبت بس اذیت بننے کے لیے لکھی جاتی ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

yeter!

Dayanamiyorum

بس بہت ہو گیا۔ میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔

گھر پہنچتے ہی سیلن نے بحث شروع کر دی تھی۔

اسے مہر سے ہونے والی بحث پر بہت غصہ تھا۔

کنٹریکٹ کے مطابق میں پاکستان آئی۔ تمہارے ساتھ تمہارا ملک دیکھ لیا نا۔ بس اب میں divorce پیپر سائن کرو میں کل کی ہی فلائٹ بک کر رہی ہوں۔ جا رہی ہوں واپس۔

سیلن کی آواز کافی اونچی تھی۔

Senakalinimikacirdin?

کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟

NeyinVarsenin?

مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔۔۔؟

رومان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بے بس ہے یا غصے میں۔

۔۔ ہم دونوں نے اپنی کونٹریکٹ کی تمام شرائط کو پورا کرلیا ہے۔ پھر کیا مقصد ہے کہ میں یہاں مزید رہوں۔ اگر تم سوچتے ہو کہ میں تمہارے رشتے داروں کی emotional stories سن کے تم سے محبت کرنے لگوں گی تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

رومان نے بے بسی سے اس کو دیکھا۔

۔۔ کنٹریکٹ ختم ہونے میں چار دن باقی ہیں ابھی۔ Divorce پیپر سائن کردوں گا اس دن۔ اور تمہاری ٹکٹ بھی کروادوں گا۔ تب تک تم یہاں سے کہیں نہیں جا سکتیں۔ تمہیں ویسے ہی رہنا ہے یہاں جیسے ہم میں بات ہوئی تھی۔ ورنہ شرائط پوری نہ ہونے کی صورت میں ڈائیورس نہیں ہوگی۔
رومان نے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

Senkimoldugunusaniyorsun?
تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو؟
سیلن غصے سے دھاڑی۔ رومان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سیلن کے چہرے پر بے تحاشہ ناگواری تھی۔

Dayanilirgibidegil!

itsnottolerable

یہ برداشت کے قابل نہیں ہے۔

کچھ لمحے کے لیے وہ رکی۔

۔۔ٹھیک ہے میں اسی دن واپس جاؤں گی۔ مزید ایک منٹ بھی یہاں نہیں رہوں گی۔

Nehalinvarsagor!

کرو جو بھی کرنا ہے۔ بات ختم کر کے رومان نے دروازہ دھماکے کی آواز سے بند کیا اور باہر نکل گیا۔

رومان اور شاہ میر اپنے کسی پرانے ٹیچر سے ملنے خانقاہ شریف جانا چاہتے تھے۔

سیلن نہیں جانا چاہ رہی تو نہ جائے۔ بٹ پلیز مجھے لے جائیں۔ وہاں سلسلۂ اویسیہ کے ایک بہت بڑے بزرگ محکم دین سیرانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف ہے۔

مہر شامیر کو راضی کر رہی تھی کہ وہ اسے ساتھ لے جائیں۔ مگر شامیر اتو اس سے بچتا پھر رہا تھا۔

رومان کے اصرار پر سیلن بھی ساتھ جانے کو راضی ہو گئی تھی۔ اس لیے شامیر کو بھی مہر کو ساتھ لانا پڑا۔

شامیر رومان سے باتوں میں لگا ہوا تھا۔ جبکہ مہر اور سیلن اپنے اپنے موبائلوں میں کچھ تلاش کرنے میں مصروف تھیں۔

یار وہ چاچے شیدے کی بیٹی کیسی ہے؟
کیا نام تھا اس کا؟۔۔۔۔۔۔۔ رومان بات کرتے ہوئے سوچنے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

۔۔الو کے پٹھے تمہارے والی کو اردو نہیں آتی مگر جو ساتھ آئی ہے یہ تشریح کر کے سب کو سنائے گی۔ زبان بند رکھ۔
شامیر تو جیسے رنگے ہاتھوں پکڑا جانے لگا ہو۔

۔۔۔اووہہہہہہہووشٹ۔۔سوری سوری میں بھول گیا تھا ہماری ٹوُر گائیڈ بھی یہیں ہے۔۔رومان ذرا دھیرے سے بولا۔

songs کا۔۔تم سب اپنی باتوں میں لگے ہو۔میں یہاں بور ہو رہی ہوں۔تم لوگوں سے بھی نہیں کہہ سکتی۔وہ بھی تم لوگوں کی ٹپیکل لینگویج میں ہوں گے۔مجھے کہاں سمجھ آئیں گے۔۔۔سیلن کو شاید خوشی ہوتی تھی بار بار ٹپیکل ورڈیوز کر کے

کیسا میوزک پریفر کرتیں ہیں آپ۔۔مہر نے پوچھا

Energy giving thriller chill type
یہ رونے دھونے والے سونگس۔۔۔چڑ ہوتی ہے مجھے ان پر

اچھا پھر آپ کو یہ سونگ پسند آئے گا۔۔

سونگ پلے کیا۔ خود تو ایک Butter البم سے بی ٹی ایس کا korean مہر نے اپنی
عرصے سے نصرت صاحب کو سن رہی تھی۔

Smoothlikebutter...
Likeacriminalundercover....
Gon'poplikettrouble....
Breakin'intoyourheartlikethat......
Coolshadestunner....
Yeah،Ioweitalltomymother...
Hotlikesummer...
Yeah،I'mmakin'yousweatlikethat....
Breakitdown.....
Ohwhenilookinthemirror...
I'llmeltyourheartinto2...
Igotthatsuperstarglowso....
Dotheboogielike....
Sidesteprightlefttomyheart
Highlikethemoonrockwithmybaby.....

سیلن نے حیرت ذدہ آنکھوں سے مہر کو دیکھا۔ اس کی نظر میں پاکستان کے لوگ کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ انہیں آگے بڑھنے کی دلچسپی نہیں ہوتی۔ مگر یہ لڑکی سیلن کو قدم قدم پر چونکا رہی تھی۔

تمہیں سمجھ آتی ہے کورین۔۔ سیلن نے پوچھا

بس ایک دفعہ سونگ انگلش سب ٹائٹل میں سننے کی دیر ہوتی ہے پھر تو سمجھو حفظ ہو گیا۔۔۔ مہر نے فخر سے بتایا

Intersting۔۔ اچھا اور کیا کیا شوق ہیں تمہارے
ترکی چائنیز کورین جیپنیز تھائی وغیرہ کی تقریبا سب ہی ویب سیریز دیکھ چکی ہوں۔۔
پھر سیریلز تو روٹین پہ چلتے ہیں۔۔ مہر ذرا مسکرائی۔

Great!

مجھے لگا پاکستانی زیادہ ماڈرن نہیں ہے۔ ان کو ٹرینڈز فولو کرنا نہیں پسند۔۔۔ سیلن نے رائے دی۔

نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ آپ نے شاید کبھی پاکستان کو سرچ کرنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔ ہماری روایات نسل در نسل چلتی ہے۔ ہم اپنے بچوں کو کچھ دیں یا نہ دیں انہیں تہذیب اور ثقافت ضرور دیتے ہیں۔ ہم لوگ ماڈرن ہونے کے نام پر فحاشی نہیں کر سکتے بس۔

سیلن کی ناک اب سرخ ہوگئ تھی۔ مگر چپ رہی۔
مہر کو افسوس ہوا کچھ زیادہ ہی بول گئ تھی۔ ذرا سوچ کے پھر بولی۔

ویسے میری وش ہے میں ترکی وزٹ کروں۔ خاص کر وہاں کی ہسٹوریکل پلیسز۔

اس کے علاوہ استنبول کی گلیاں، نیلی مسجد،

زیر زمین شہر کیپاڈوشیا، کی مکلی غاروں کا شہر، گوریمے کی چمنیاں، غاروں والا قلعہ اوپن میوزیم، گرم ہوا والے آسمان کی بلندیوں کو چھونے والے غبارے، اور ازمیر بھی تو۔۔۔۔۔

۔۔آپ ہمارے ایک شہر کے متعلق اتنا کچھ جانتی ہیں تو ہمارے ملک کے متعلق بھی یقینا بہت کچھ جانتی ہوں گی۔
سیلن نے مہر کی بات کاٹی۔

۔۔۔بس مجھے شوق ہے مجھے اچھا لگتا ہے ہسٹوریکل پلیسز کے بارے میں پڑھنا۔
ویسے بھی ترکی تو پاکستانی لڑکیوں کی دوسری محبت ہے۔
مہر کو یاد آیا کیسے وہ ساری دوستیں مل کر ترکی جانے کے خواب دیکھا کرتی تھیں۔

۔۔کیا اب بھی وہاں دروازوں پر دو قسم کی کنڈیاں لگائی جاتی ہیں؟۔۔مہر کچھ یاد آنے پر بولی۔

سیلن نے نہ سمجھی سے اسے دیکھا۔

۔۔میں نے پڑھا تھا کہ سلطنت عثمانیہ میں مین گیٹ پر دو طرح کی گول دائرے والی کنڈیاں لگائی جاتی تھیں۔ مرد مہمان آتا تو بڑے دائرے والی کنڈی بجاتا اور گھر سے مرد اٹھ کر دروازہ کھولتا۔ اسی طرح کوئی عورت مہمان آتی تو چھوٹی کنڈی بجاتی۔ اور گھر سے کوئی عورت اٹھ کر ہی دروازہ کھولتی۔

مہر کی بات پر نہ صرف سیلن بلکہ شامیر اور رومان بھی حیران ہو گئے تھے۔ شامیر نے ایک خوبصورت نگاہ مہر کے چہرے پر ڈالی۔

۔۔نہیں وہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا اب۔۔ سیلن ذرا شرمندہ ہوئی اسے اپنے ملک کے بارے اتنا کچھ نہیں پتا تھا جتنا غیر ملکی لڑکی اسے بتا چکی تھی۔

۔۔یار یہ تمہاری کزن کوئی بال مس بھی جانے دے گی کیا۔ یہ تو موقع پر چوکا لگاتی جا رہی۔

رومان نے شامیر کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

تو بس اپنے پلیئرز کی فکر۔۔ کہیں چوکے کی جگہ چھکے ہی نہ لگنا شروع ہو جائیں۔

مہر کے تیز کان اپنی تعریف پر کھڑے ہو گئے۔

وہ لوگ خانقاہ شریف پہنچ گئے تھے۔

۔۔مجھے پھولوں کی پتیاں اور چادر خریدنی ہے۔۔ مہر درگاہ کے باہر ایک چھوٹی سی شاپ پر رکی۔

شامیر آگے آیا اس نے پھولوں کی پتیاں اور چادر مہر کو خرید کے دی۔

۔۔ایک دن ایسا بھی آئے گا جب میں اپنی منت پوری ہونے پر یہاں چادر چڑھانے آوں گی۔۔

مہر شامیر کے پیچھے مزار کے احاطے میں داخل ہوئی۔

فاتحہ پڑھ کر شامیر اور رومان نے چادر بچھائی اور مہر نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت خواجہ محکم دین سیرانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالی عنہا سے جا ملتا ہے۔ ان کو سیرانی اس لیے کہتے ہیں ان کو غیب سے ایک آواز آئی تھی اس کے بعد یہ اکثر سیر کی حالت میں رہتے تھے۔ روزے کی حالت میں بعض دفعہ جنابِ حضرت خضر علیہ السلام خود ان کا روزہ افطار کروانے آتے تھے۔ ان کی کرامات میں خاص کرامت یہ بھی ہے کہ یہ اگر کسی باغ میں عبادت کر رہے ہوتے تو پتوں سے بھی اللہ کی آوازیں آنے لگتیں۔ جہاں شب و روز سے چلنے والے لنگر کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

For more visit (exponovels.com)

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے تا عمر شادی نہیں کی تھی۔ ان کے پیر و مرشد نے ان سے پوچھا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے۔؟

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا؛ میں نہیں چاہتا کہ میری اولاد میرے پیر و مرشد کی اولاد کی شریک بنے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے مرشدِ نے فرمایا؛ اولاد تو میری ہوگی لیکن جانی محکم دین کے نام سے جائے گی۔

وہ لوگ صحن کی طرف آ رہے تھے جب مہر کی نظر ایک ماڈرن سی لڑکی پر پڑی مہر رک کے اس کو دیکھنے لگی۔

شاہ میر نے مہر کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

وہ لڑکی شرٹ سی فراک اور پجامے میں ملبوس کسی اونچی جگہ سے دھاگا کھولنے میں مصروف تھی۔

مہر میں نے آج تک لوگوں کو دھاگہ باندھ دیتے ہی دیکھا تھا۔ لڑکی کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ جین ٹی شرٹ میں ملبوس ایک لڑکا عقب سے لڑکی کے پاس آیا۔ ان دونوں نے مسکراتے ہوئے دھاگا کھولا۔

رومان کے بلانے پر مہران کے پیچھے چل دی۔

ظہر کی اذان سن کر شامیر کھڑا ہوا اپنے کندھوں سے شال اتاری اور مہر کے پاس رکھ دی۔
خود وضو کرنے چلا گیا۔

مہر صحن کہ سفید پتھروں پر ہلکی میٹھی دھوپ میں بیٹھی رہی۔ وہ دھاگا کھولنے والی لڑکی بھی مہر
کے عقب میں آ کر بیٹھ گئ۔

مہر نے اسے غور سے دیکھا۔ لڑکی مہر کے اس طرح دیکھنے پر بولی۔

کیا ہوا۔۔۔

۔۔۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔ لوگ یہاں دھاگے باندھنے آتے ہیں اور آپ
کھول رہی تھیں۔

مہر کے پوچھنے پر وہ لڑکی ذرا سا مسکرائی اور پھر بولی۔

میں نے یہاں اپنی شادی کے لیے دھاگا باندھا تھا۔ ہمارے گھر والے ہماری شادی کے خلاف تھے۔ پھر پیر صاحب کی کرامت سے وہ مان گئے۔ میری منت پوری ہوئی اس لئے میں اپنے شوہر کے ساتھ دھاگہ کھولنے آئی ہوں۔

لڑکی کے گال اب سرخ ہوئے جا رہے تھے۔

بہت مبارک ہو آپ کو۔۔۔ مہر نے اسے مسکرا کے دیکھا۔
مہر کی نظر اپنی گود میں رکھے شامیر کی شال پر گی۔

وہ اٹھی اور اس جگہ پر پہنچی جہاں لڑکی دھاگہ کھول رہی تھی۔ اس نے شامیر کی شال سے ایک دھاگہ کھینچا۔ اور اپنے لیے منت کر کے وہاں باندھ دیا۔

مہر کوئی ایسا در نہیں چھوڑنا چاہتی تھی جس کو اس نے شامیر کے لیے نہ کھٹکھٹایا ہو۔

وہ وہاں سے پلٹ کر واپس آ ہی رہی تھی جب ایک نوجوان جو ذہنی مفلوج لگتا تھا مہر سے ٹکرا گیا۔ اس سے پہلے کہ مہر پیچھے ہٹتی اس نے مہر کی شال کھینچ لی۔ مہر کی ذرا سی چیخ نکلی۔

شامیر بھاگتا ہوا اس تک پہنچا۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکا کوئی مزید کوئی حرکت کرتا شامیر نے مہر کو بازو سے پکڑ کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا۔
اس کے نرم ریشمی ملائم بال ہوائیں اڑتے ہوئے مہر کے چہرے کو ڈھانپ گئے۔
وہ لڑکا مہر کی شال اپنے پیروں میں روندنے لگا۔ مہر مزید ڈر کے شامیر کے قریب ہوئی۔
شامیر نے ایک ہاتھ مہر کی کمر پر حفاظت کے لیے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے لڑکے کے سینے پر طاقت سے دھکا لگایا۔ وہ لڑکا دو چار قدم پیچھے جا گرا۔
بہت سے لوگ آس پاس جمع ہو گئے۔ شاہ میر نے اپنی شال سے مہر کو ڈھانپا۔

۔۔صاحب معاف کر دیں۔ میرا بیٹا ہوش میں نہیں ہے۔ میں اسے ہر جمعرات کو یہاں لے کر آتی ہوں۔ کوئی بھی لڑکی دیکھتا ہے تو اس پر حملہ کر دیتا ہے۔
عورت شاید لڑکے کی ماں تھی۔

۔۔صاحب اس کی منگیتر اسے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ شادی والی رات بھاگ گئ تھی۔
تب سے میرا بیٹا دیوانہ ہوا پھرتا ہے۔

مہر کا دل بری طرح دھڑکا۔
کیا اسے ہر جگہ محبت کے مارے ہوئے لوگ ہی ملیں گے۔کیا یہ نشانیاں اسے اس لئے دی جارہی ہیں۔اسے روحانی طور پر تیار کیا جارہا ہے کیونکہ اسے بھی اس کی محبت نہیں ملے گی۔
آنسو مہر کی آنکھ سے بہہ نکلے۔

اس نے پرامید نظروں سے اپنے دھاگے کی طرف دیکھا اور پھر مزار کی طرف۔
جیسے اسے یقین ہو کہ وہ بھی ایک دن دھاگہ کھولنے ضرور آئے گی۔

سیلن کے سر میں اچانک شدید درد ہونے لگا۔کہیں اور جانے کی ہمت نہیں بچی تھی اس میں۔اس لیے وہ فوراواپسی کے لیے نکلے۔

تمام راستے سیلن آنکھیں بند کیۓ بیٹھی رہی۔

مہر چاہ رہی تھی کہ اسے ڈاکٹر کو دکھا دیں مگر اس نے بیگ میں موجود کوئ پین کلر لے لی تھی۔
سیلن کا رویہ کچھ عجیب سا تھا۔ اس کا وہ غرور اور کروفر اندذ تو نہیں تھا اب۔
وہ رومان کو شرمندہ شرمندہ سی نظر سے دیکھتی۔
رومان کو شاید ہمیشہ کے لیۓ چپ لگ گئ تھی۔
شامیر کے کانوں سے ایمان کی باتوں کی بازگشت نہیں جاتی تھی۔ سب اپنی اپنی کسی قید میں جکڑے ہوئے تھے۔ آنے والے وقت کو صرف مہر پُر امید نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

شامیر نے آج خلاف معمول پہلے مہر کو گھر ڈراپ کیا۔ شاید اس کا رومان کی طرف رو کنے کا ارادہ تھا۔
اس نے مہر کو ایک نظر تک نہیں دیکھا۔ مہر کا دل تڑپ اٹھا تھا۔

مہر کے انٹری ٹیسٹ کی ڈیٹ آگئی تھی۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے گھر جاتے ہی بکس لیے بیٹھ گئی۔

ایمان سے وہ اب کھچی کھچی رہتی تھی۔ ذین بھی ایمان سے کچھ دور دور محسوس ہوتا تھا۔

ایمان کیلیئے اس حالت میں ڈپریشن لینا ٹھیک نہیں تھا۔ ذین اس کا خیال رکھتا مگر ایمان خود بھی اب کم بات کرتی تھی۔

شاید۔ محبت بھی چیزوں کی طرح ہوتی ہے جب دسترس میں آجاتی ہیں تو قدر نہیں رہتی۔

اگلے دو دن وہ کتابوں میں سر دیئے بیٹھی رہی۔ بیچ میں شامیر کو ایک آدھا میسج کرتی مگر اس نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اگلے دن شام کو شامیر کا میسج آیا۔

۔۔ سیلن جا رہی ہے۔ آج رات اس نے ہمیں ڈنر پہ بلایا ہے۔ سات بجے تک ریڈی رہنا۔

مہر سوچ کے بیٹھی تھی کہ اب اس پتھر دل انسان سے کبھی بات نہیں کرے گی۔

مگر محبوب کی چاہ ہی ایسی ہوتی ہے۔ انسان خود سے کیئے ہوئے وعدے تک بھول جاتا ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ پنک کلر کی فراک میں کوئی پنک فیری لگ رہی تھی۔ ایمان نے اسے تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

کہاں جا رہی ہو اس وقت۔۔۔

ڈنر پہ۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

کس کے ساتھ۔۔۔

اسی کے ساتھ جو آپ کو روایتی مرد لگتا ہے۔۔۔ ایمان نے ایک قرب سے مہر کو دیکھا۔

۔۔ فکر نہیں کریں رومان اور سیلن بھی ساتھ ہی ہوں گے۔
گاڑی کا ہارن سنتے ہی مہر خوش دلی سے گیٹ کی طرف بڑھ گئ۔
ایمان کوئی پتھر کی مورت بنے وہیں بیٹھی رہی۔
مہر جیسے ہی گاڑی تک پہنچی اسکی تمام خوشی غائب ہو گئ۔ کیونکہ فرنٹ سیٹ پر شامیر نہیں رومان تھا۔

!آپ۔۔۔

کیوں آپ کو میرا آنا۔ اچھا نہیں لگا۔۔۔؟

نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ آپ پہلی بار آئے ہیں نہ ایسے۔۔۔ مہر ذرا تذبذب کا شکار ہوئی۔

شامیر گاؤں سے آتے آتے لیٹ ہو جائیگا اس لئے میں آگیا۔۔۔ رومان نے وجہ بتائی

مہر کچھ دیر خاموش رہی رومان کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ جب محبت دسترس سے دور ہونے لگتی ہیں تو کیسا لگتا ہے۔ انسان اندر سے مر جاتا ہے۔ مگر ظاہری جسم پے ایک دراڑ تک نہیں آتی۔ اسے دنیا کے لئے ہنسنا بولنا پڑتا ہے۔ ژگے رشتوں کے سامنے بھی آنسو چھپانے پڑتے ہیں۔ تکیہ واحد غمخوار بچتا ہے۔ تمام آنسو اپنے اندر جزب کرنے کے بعد بھی چپ رہتا ہے۔

۔۔۔مجھے افسوس ہے کہ ہم سیلن کو نہیں روک پائے۔
مہر افسردگی سے بولی۔

۔۔۔ارے تم پاگل کیوں افسردہ ہو رہی ہو۔ میں ہی اسے غلط جگہ پر فٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

!ہم انسان کا ضمیر تو بدل سکتے ہیں مگر خمیر نہیں۔۔۔۔

رومان کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ مشکل سے مہر کو سنائی دیا۔

مہر اس کی تکلیف کو سمجھ سکتی تھی۔ وہ بھی تو اسی مرحلے سے گزر رہی ہے۔

رومان نے گیٹ ناک کیا۔ مہر فاطمہ کو متوقع کر رہی تھی۔

مگر سیلن نے دروازہ کھولا۔

Iyiaksamlar
شام بخیرgoodevening
Hosgeldin

welcomeخوش آمدید

وہ مہر کو دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائی۔

انگلش اور ترکش زبان مکس کر کے بولتی ہوئی وہ آج مہر کو کافی خوش لگ رہی تھی۔

مہر اس کے لیے خوبصورت سا سلک اسکارف لے کر آئی تھی۔

سیلن بہت خوش ہوئی

باکس پر مہر نے ترکی زبان میں کچھ لکھا تھا۔

Bizimlevakitgecirdiginizicintesekkurederiz

شکریہ ہمارے ساتھ وقت گزارنے کے لئے۔

مہر شامیر کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ پروفیسر صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ مہر نے پروفیسر صاحب سے جھک کر سلام کیا اور خیریت دریافت کی۔ چور نظر شاہ میر پر بھی ڈالی۔

For more visit (exponovels.com)

شامیر اب بھی اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ مہر کو لگا کہ جیسے اس سے اس کا سائبان چھن گیا ہو۔

فاطمہ اس سے خوشدلی سے ملی۔
سیلن نے سب کے لئے ترک پلاؤ بنایا تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے کسی نے ایک بات تک نہ کی۔
شاید سب ہی ایک دوسرے سے چھپتے پھر رہے تھے۔
کھانے کے بعد پروفیسر صاحب نے سیلن کو شگن کے طور پر کچھ پیسے دیے۔

۔۔نہیں نہیں انکل پلیز مجھے شرمندہ مت کریں۔

۔۔۔بیٹی ہمارے ہاں رواج ہے جب بہو پہلی دفعہ کھانا بنائے تو ہم اسے شگن دیتے ہیں۔۔۔ پروفیسر صاحب نے سیلن کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

سوری۔ مگر میں آپ کی بہو نہیں ہوں۔۔ سیلن پروفیسر صاحب کو سکتے میں چھوڑ کر اٹھ کے چلی گئی۔

پروفیسر صاحب سب کو حیرت سے دیکھتے رہے۔۔ پھر روماں نے تمام روداد سنائی۔

تم نے اتنا کچھ مجھ سے چھپایا بھی کیسے؟۔۔ پروفیسر صاحب کو شدید غصہ آیا

اگر میں آپ کو بتاتا تو آپ مجھے کبھی وہاں رہنے نہ دیتے۔ میری ایجوکیشن میرا کریئر سب ادھورا رہ جاتا۔۔۔

اس لیے تم نے نقلی شادی کرلی؟۔۔۔ پروفیسر صاحب کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا۔

مجھے معاف کردیں۔۔ رومان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

پروفیسر صاحب نے اسے بڑھ کے گلے سے لگالیا۔

سیلن کھڑکی سے سب دیکھتی کرسی پر ڈھے گئی۔

سیلن کے ماں باپ اس کے بچپن میں ہی علیحدہ ہو گئے تھے۔ وہ کچھ دن باپ کی طرف رہتی تو کچھ دن ماں کی طرف۔ اس کی زندگی ادھر سے ادھر جاتے گیند سے کچھ زیادہ نہ تھی۔
اس کی تقریباً تمام عمر کالج یونیورسٹی کے ہاسٹلز میں گزری۔ اس کے نصیب میں گھر کی چھت نہیں ہوئی تھی۔
پھر باپ کی اچانک موت اوران کی وصیت نے سب کچھ بدل دیا۔ اسے اپنی محبت چھوڑ کر ایک پاکستانی لڑکے سے شادی کرنا پڑی۔
اور آج یہی پاکستانی خاندان اسے بیٹی اور بہو کا مان دینے کے لیے تیار تھے۔ مگر ایمرے سے کیا ہوا وعدہ توڑنے کی اجازت دل ہرگز نہیں دے رہا تھا۔

سیلن کمرے سے نکل کے پروفیسر صاحب کے پاس گئی۔

۔۔۔انکل مجھے معاف کر دیں۔ میری وجہ سے آپ نے اتنے سال اپنے بیٹے کی دوری برداشت کی۔مجھے ہنستا بستا گھر نصیب ہی نہیں ہوا تھا کبھی۔ نہیں پتا ماں باپ کیا ہوتے ہیں۔ ورنہ رومان کو کبھی نہ روکتی۔مجھے معاف کر دیں۔۔۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

۔۔یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ آپ میری بیٹی کی طرح ہو۔ بس جو ہو گیا سو ہو گیا۔ بلکہ شکریہ آپ نے میرے بیٹے کی مدد کی۔

پروفیسر صاحب نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو وہ ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

رومان بھی اپنے آنسوؤں کو کنٹرول نہ کر پایا۔
وہاں سے اٹھ کے بالکنی میں آ کھڑا ہوا۔ جانتا تھا وہ کسی صورت اپنی محبت کو نہیں روک پائے گا۔

۔۔۔خود کو تکلیف مت دو۔ اسے آزاد کر دو اپنی محبت سے۔۔ شامیر اس کے پاس آیا۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔کر دیا آزاد۔۔بس یہاں کچھ ہوتا ہے یار۔۔۔رومان نے شہادت کی انگلی دل پر رکھی۔

شامیر نے اسے گلے سے لگالیا۔

مہر ٹوٹے دل سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔فاطمہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی۔اس گھر پہ اب اس کے بعد کوئی اور دکھ نہ اترے۔

۔۔۔۔۔۔۔

شامیر مہر سے چھپتا پھر رہا تھا۔بارہا کوشش کرتی بات کرنے کی۔مگر شاہ میر سے بات نہیں ہو پا رہی تھی۔مہر کا دل کٹتا جا رہا تھا۔

مہر کو پتا بھی نہ چلا کہ وہ کب وہاں سے نکل گیا۔رومان نے اسے گھر ڈراپ کیا۔

گھر پہنچتے ہی اس نے پہلے شامیر کو میسج کیا۔

۔۔مجھے نہیں پتا ایسا کیا ہوا آپ مجھے اگنور کیوں کر رہے ہیں اگر کوئی غلطی ہوئی ہے تو معاف کر دیں۔ بات کریں پلیز۔۔۔

کافی دیر میسج کا انتظار کرتی رہی۔ مگر کوئی ریپلائی نہیں آیا۔

شامیر رومان کے گھر کی چھت پر بیٹھا میسج بار بار پڑھ رہا تھا۔ خود کو تسلی دے رہا تھا۔

عشق جلاوطن۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دو دن کے بعد مہرا انٹری ٹیسٹ دے کر گاؤں واپس پہنچی۔
محل گئی تاکہ شامیر سے بات کر سکے مگر وہ نہیں ملا۔ بار بار آتی اور خالی ہاتھ لوٹ جاتی۔

پھر اچانک زینب اور حسن کے پاس سے اٹھ کر وہ شامیر کے کمرے میں آگئی۔

اس کے بیڈ پر بیٹھ کے اس کی تصویر اٹھائی۔

۔۔۔اب کیوں ایسے ہو گئے ہو۔ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے۔ کیا آپ کو میری محبت نظر نہیں آتی۔ میرا جنون نظر نہیں آتا۔۔
اس کی تصویر سینے سے لگائے وہ روتے جا رہی تھی۔

اچانک دروازہ کھلا اور شامیر اندر داخل ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

تم یہاں کیا کر رہی ہو؟۔۔۔۔ وہ سخت لہجے میں بولا۔

آپ کیا کر رہے ہیں۔ اور کیوں کر رہے ہیں ہمارے ساتھ ایسا۔۔۔ مہر کی آنکھوں میں ابھی بے تحاشہ پانی تھا۔

جاؤ یہاں سے۔ لڑکیوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مرد کی کمرے میں۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

مرد۔۔۔ مہر نے بات کاٹی۔ پھر بولی

ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔
شامیر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

کیا نہیں کرتے؟۔۔۔ مہر نے تصدیق کرنے کے لئے دوبارہ پوچھا۔

آپ کو شرم آنی چاہیے اس طرح کی فضول باتیں کرتے ہوئے۔۔۔ شامیر سرخ آنکھوں سے بولا۔

پلیز ایسے مت کریں میں مر جاؤں گی۔۔۔ مہر روہانسی ہوئی۔

مرنا جینا خدا کی قدرت میں ہے۔۔۔۔

میرا میرے دل پر اختیار نہیں ہے۔۔۔۔

شیطان کے بہکاوے میں ہیں آپ ۔ جائیں جا کر توبہ کریں ۔ ۔ ۔

رب نے بھی تو محبت کی خاطر دنیا بنا ڈالی تھی ۔ محبت شروع سے دنیا کا دستور رہی ہے ۔ آپ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے ۔ مہر میں دلیل دی ۔

خدا کا واسطہ ہے چلی جاؤ یہاں سے ۔ ۔ شامیر کے پاس اب ہمت نہ بچی تھی ۔

میں آپ کا جواب لیئے بغیر نہیں جاؤں گی ۔ ۔ ۔

نا ہی میں یوسفِ مصر ہوں اور نہ آپ زلیخہ ۔ اس لیے جائیے یہاں سے ۔

آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں ۔ مگر تایا سرکار کی وجہ سے اقرار نہیں کرتے ۔ میں خود کروں گی ان سے بات ۔ زین بھائی خود ساری سچائی ان کو بتا دیں گے ۔ ۔
مگر پلیز ہماری محبت کو مت جھٹلائیں ۔ ۔ ۔ ۔

اپنی بہن کے سابقہ منگیتر سے محبت کیسے کر سکتی ہیں۔۔۔وہ با ضد تھا

جیسے میری بہن نے اپنے منگیتر کے بھائی سے محبت کی۔۔۔۔ مہر نے فوراً جواب دیا۔

ٹھیک ہے آپ کو میرا جواب چاہیے نا۔۔ تو گھر جا کے یوٹیوب کھولیئے۔ حضرت امام مسکی رحمۃ اللہ علیہ کے کے بارے میں پڑھیئے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ آپ یہاں کیا لینے آئی ہیں۔۔۔
اب کی بار شامیر نے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکالا اور دروازہ دھڑام سے بند کر دیا۔

مہر تھکے تھک کے قدم اٹھاتی محل کی چھت کی طرف بڑھ گئی۔

مگر یہ سارا واقعہ وہاں موجود ایک تیسرے انسان نے بھی دیکھ لیا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

مہر نے گھر پہنچتے ہی یوٹیوب سے واقعہ سننے لگے جیسے جیسے واقعہ سنتی جاتی پیروں سے زمین اور چھت سے آسمان کھسکتے محسوس ہوئے۔

"ایک درویش تھے انہیں حضرت مسکی کی کہا جاتا تھا۔ ان کے جسم سے ہمیشہ مسحور کن خوشبو آیا کرتی تھی۔ لوگ ان سے اکثر اس خوشبو کی وجہ پوچھا کرتے۔ تو ایک دفعہ اپنی آپ بیتی بتانے لگے کہتے میں جوانی میں بہت خوبصورت تھا۔ امیر عورت نے مجھے گھر پہ بلالیا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں کسی صورت نہیں بچ سکوں گا۔ میں نے اس عورت سے کہا مجھے پیشاب کی حاجت ہو رہی ہے۔ پہلے مجھے وہاں لے کے چلو۔ جب عورت مجھے غسل خانے میں لے آئی۔ میں نے وہاں کی تمام گندگی اپنے جسم پر مل لی۔ میں اس کی طرف بڑھا تو کہنے لگی کہ تم پاگل ہو نکلو باہر۔ آپ کہتے میں وہاں سے نکل آیا غسل کیا تو رات خواب میں یوسف علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ کہنے لگے تم نے حضرت محمد ﷺ کا امتی ہو کر وہ کام کیا ہے جو میں نے نبی ہو کر کیا تھا۔ انہوں نے آپ کو اپنے سینے سے لگایا۔ اور کہتے ہیں تب سے میرے جسم سے یہ خوشبو نہیں جاتی۔۔۔۔

مہر زاروقطار رو رہی تھی۔ کیا شامیر کو مہر کا عشق ہوس لگا تھا۔
ایمان صحیح کہتی تھی وہ واقعی ایک روایتی مرد ہے۔ اسے عورت پاؤں کی جوتی اور بستر کی ضرورت لگتی ہے بس۔
مہر کی دنیا صحیح معنی میں آج لٹ گئی تھی۔ اس کے کردار کی دھجیاں بکھیر دی گئیں تھیں۔
اس کی عزت سر عام نیلام ہو گئی تھی۔
وہ چیختی چلاتی ہوش میں نہیں لگ رہی تھی۔

ایک پیر زادے نے ایک پیر زادی کے کردار کو ہوس کی گندگی سے بھر دیا تھا۔ پھر وہ زندہ کیسے رہتی۔
وہ اپنے کمرے کی تلاشی لینے لگی۔ تاکہ کوئی ایسی چیز مل جائے جو اس کی روح کو اس کے جسم سے علیحدہ کر دے۔

زلیخہ بی بی کمرے میں آئیں۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ ڈر گئی۔
کسی صورت ماں سے قابو نہیں آ رہی تھی۔

۔۔ماں مجھے مرنا ہے۔ماں مجھے زندہ نہیں رہنا۔
مرنے کی رٹ لگا رکھی تھی۔

انہوں نے فوراً بڑی سرکار کو بلایا۔ مہر بڑی سرکار کو دیکھ کر ذرا ہوش میں آئی۔ بڑی سرکار نے اس پہ دم کیا۔
مہر غور سے اس عورت کو دیکھ رہی تھی۔جس کے شکم سے اس کی محبت نے جنم لیا تھا۔
اور یہ محبت آج ہوس کے نام پر نیلام ہو گئی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بڑی سرکار نے شامیر کو فون کیا تاکہ وہ آکر مہر کو دم کرے۔ سمجھتی تھی کہ مہر بار بار کوئی کالی نظر کی زد میں آجاتی ہے۔
مگر وہ معصوم نہیں جانتی تھی۔
یہ کالی نظر وہ عشق ہے جس کی سزا ان کے بیٹے نے مہر کو دی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

شامیر نہیں آیا اور نہ ہی اسے اب کبھی آنا تھا۔

"اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا"

کچھ دن وہ بخار کی تپش میں تڑپتی رہی۔ دماغ پہ شامیر کی باتوں کے ہتھوڑے برستے تھے۔

ہم مشرقی لوگ بہت ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ ہمارا نروس بریک ڈاؤن نہیں ہوتا۔ ہمیں برین ہیمریج نہیں ہوتا۔ ہمیں خود ہی اپنی قبر کھودنی پڑتی ہے۔ ہم نیند کی گولیاں کھا کر صبح کا انتظار کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ہمیں رات جلتی آنکھوں میں کاٹ کر صبح ماں کے سامنے خوش ہونے کا دکھاوا کرنا پڑتا ہے۔ ہم وہ دکھ کسی کو نہیں سناتے جس کے بعد لوگ ہم پہ ترس کھائیں۔

شامیر مزار کے حجرے میں پہنچا۔ اس کی آنکھیں خون برسا رہی تھیں۔ وہ چیخنا چاہتا تھا۔ وہ ایک جیتی جاگتی لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار آیا تھا۔ موت بھی ایسی کہ جسم زندہ رہے اور روح فنا ہو جائے۔

وہ دیوار پر چیخ چیخ کے اپنا درد اتار رہا تھا۔ پھر درد کی جگہ غصے نے لے لی۔ وہ دیوار پر مکے برسانے لگا یہاں تک کہ اس کا اپنا ہاتھ زخمی نہیں ہو گیا۔ ہاتھ سے خون رسنے لگا۔ اس نے خون آلود ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کیے۔ چہرے کا ایک طرف کا حصہ خون زدہ ہو گیا تھا۔

سیلن آج ترکی واپس جا رہی تھی۔ رومان اسے آخری بار دیکھ رہا تھا۔ اس کی محبت اس کی آنکھوں کے سامنے سے مٹتی جا رہی تھی۔

جب محبت کی موت ہو جائے۔ تو تھکے ٹوٹے بدن کے ساتھ میت پوری ریتی رواج کے ساتھ
دفنانی بھی خود ہی پڑتی ہے۔ نہ کوئی جنازہ گاہ نہ کوئی فاتحہ پڑھنے والا دل کی بنجر زمین پہ ہی کہیں کونے میں قبر کھودنی پڑتی ہے۔

رومان بالکنی میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

Umarinbeniaffedersin
مجھے امید ہے کہ تم مجھے معاف کردو گے۔۔

سیلن کی آواز پر وہ چونکا۔

کس بات کی معافی۔ تم نے میری مدد کی اور میں نے تمہاری۔ سب صاف تھا، واضح تھا۔
مگر پھر بھی میں نے غلط امید لگائیں۔ اگر کسی کو معافی مانگنی چاہیۓ تو وہ میں ہوں۔
Ozurdilemekisterim
معافی مجھے مانگنی چاہیے۔

Bencillikyaptigimicinuzgunum
مجھے معاف کردو میری خود غرضی کے لیے۔

۔۔یہ کیسے لوگ تھے۔ نا صرف اپنا احتساب کرتے تھے۔ بلکہ اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی بھی خود ہی مانگ رہے تھے۔۔۔ سیلن کا پتھر دل اب تڑپا تھا۔
وہ مزید وہاں کھڑی نہ رہ سکیں۔

فاطمہ نے اس کے لئے کوئی تحفہ خریدا تھا۔ سیلن اپنی پیکنگ کو آخری ٹچ دے رہی تھی جب فاطمہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

میں آپ کو بہت یاد کروں گی۔ سیلن میں اسے حیرانی سے دیکھا

۔۔اس نے تو فاطمہ کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہیں بنایا تھا جس سے وہ اسے یاد کرتی۔ مگر پھر بھی وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اسے یاد کرے گی۔۔۔

سیلن زخمی سا مسکرائی۔
فاطمہ نے گفٹ پیپر میں ریپ کیا ہوا باکس اس کی طرف بڑھایا۔

.خوبصورت گریٹنگ کارڈ کے اندر فاطمہ نے اس کے لیے کچھ لکھا تھا

Gulegulegit,gulegulegel
Gobylaughing,comebylaughing.

سیلن تحریر پڑھ کر نم آنکھوں سے فاطمہ کے گلے لگی۔

سیلن آخری دفعہ پروفیسر صاحب کے سامنے کھڑی تھی۔

خوش رہو بیٹا۔ مہمان نوازی میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو معاف کرنا۔
پروفیسر صاحب نے کچھ پیسے سیلن کے ہاتھ پر رکھے۔

انکل میں۔۔۔۔۔۔

ہمارے ہاں جب بیٹیاں رخصت ہوتی ہیں تب بھی انہیں شگن دیا جاتا ہے۔۔۔پروفیسر صاحب نے اس کے سر کو نرمی سے تھپتھپایا۔

Naziksozlerininicintesekkurler
نیک تمناؤں کے لیے شکریہ۔۔ سیلن دھیرے سے بولی۔

رات کے اندھیرے میں ایک نسوانی ہیولا محل کے مردان خانے کی طرف بڑھا۔ محل کے اس حصے میں کسی عورت کو آنے کی اجازت قطعاً نہیں تھی۔ پھر یہ کون آج اتنی ہمت کر پائی تھی۔

بڑے سرکار اپنے حجرے میں تسبیح پکڑے خدا سے حساب کتاب میں لگے تھے۔

آہٹ پر رخ موڑ کے دیکھا تو حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے۔

آپ یہاں کیوں آئی ہے۔۔۔۔

ایک بار پہلے یہاں آئے تھے اپنی منہ بولی بہن کے لیے آج ہم اپنے بیٹے کے لیے آئے ہیں یہاں۔۔۔۔بی جی کی آواز پر بڑے سرکار کے چہرے پر ایک رنگ آیا۔

آپ شامیر کو معاف کر دیں۔اسے شادی کی اجازت دے دیں۔آپ کو تاریخ دہرانا نہیں چاہیے۔

ہم اپنی زبان سے نہیں پھر سکتے۔۔۔

آپ ظلم پر ظلم کرتے جا رہے ہیں۔۔۔بی جی جیسے انہیں کچھ یاد دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

آپ اپنی بہن کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کے بھی مجرم بن جائیں گے۔
بڑے سرکار کا چہرہ پیلا زرد ہو گیا

آپ یہاں گھڑے مردے اکھاڑنے آئی ہیں۔۔۔۔

نہیں ہم اپنے بیٹے کے لیے انصاف لینے آئے ہیں۔ ہم اپنی منہ بولی بہن کے لیے کچھ نہیں کر پائے مگر اپنے بیٹے کے لئے ہم لڑیں گے۔

آپ جسے اپنا بیٹا کہہ رہی ہیں تو ہمارا خون ہے۔۔۔ بڑے سرکار کی آواز میں ابھی بھی ویسا ہی رعب تھا۔

پیدا کرنے والے سے پالنے والے کا حق زیادہ ہوتا ہے بڑے سرکار۔ پھر میں تو اس کی رضاعی ماں بھی ہو۔ بھول گئے آپ وہ رات جب آپ نے اسے میری گود میں ڈالا تھا۔ جب ڈاکٹر نے بڑی سرکار کو جواب دے دیا تھا۔ تو ہم نے اس ننھے وجود کا پیٹ اپنے شکم سے بھرا تھا۔

۔۔اسی لیے آپ کو ہم نے اس محل کا فرد سمجھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی حدود بھول جائیں۔۔۔

میں کچھ نہیں بھولی بڑے سرکار۔مجھے سب یاد ہے کیسے آپ نے سکھاں بی بی کو سڑک پر گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ پھر کیسے آپ نے موت کے کھیل کوڈاکو کا نام دے دیا تھا۔
ان کی لاش کو بھی وہیں کسی قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔
یہاں کسی کو بھی شاید پتا نہ چلتا اگر آپ کے اپنے بھائی جہانگیر سرکار آپ کے مقابل نا آتے تو شاید یہ راز سکھاں بی بی کی قبر کے ساتھ ہی دفن ہو جاتا۔

آپ کیا ہمیں یہاں دھمکانے آئی ہیں۔۔۔ بڑے سرکار کی آواز میں اب رعب دبدبہ نہیں بچا تھا۔

میں صرف آپ کو روکنے آئی ہوں کہ تاریخ کو پھر مت دہرائیے۔ آپ تین زندگیوں کا قصاص نہیں ادا کر پائیں گے۔ شاید مہر بھی قیامت والے دن آپ کے روبرو آئے۔ پھر کس کس کا حساب دیں گے وہاں آپ۔۔۔۔

بی جی کے منہ سے مہر کے تذکرے پر بڑے سرکار نے نا سمجھی سے بی جان کو دیکھا۔

مہر اور شامیر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ مگر آپ کی آنا ہر بار کی طرح آج ان کی محبت کو بھی نگلنے کے در پہ ہے۔

۔۔بس بہت ہو گیا۔ جائیں یہاں سے اور آئندہ اس حصے کی طرف رخ کرنے کا سوچیں بھی مت۔
بڑے سرکار نے ہاتھ کے اشارے سے بی جان کو تنبیع کی۔

ٹھیک ہے ہم نہیں آئیں گے۔ مگر کیا آپ نے سوچا ہے کہ کون اس حویلی میں آپ کا وارث بن کے رہے گا۔ شازمان آپ کی روایات کے پنجرے سے بہت عرصہ ہوا نکل

گئے ہیں۔ شاہ ذین بھی یہاں نہیں آنا چاہتے۔ اور شامیر بھی کسی دن اس غلامی سے نجات حاصل کرلیں گے۔ اگر مریدوں کو پتہ چل جائے آپ نے اپنی بہن کے ساتھ کیا کیا تو ہے کوئی جو آپکی عزت کرے گا؟۔

!نہ آپ کے کوئی بڑھاپے کا سہارا بنے گا نہ اس گدی کا کوئی وارث۔

بی جی بڑے سرکار کو پچھتاوے کی بھٹی میں جھونک کر چلی گئی۔

پچھتانے والوں کے مقدر میں صرف آنسو ہوتے ہیں۔ یا پھر معافی کی امید۔

شامیر رومان کے مجبور کرنے پر سیلن کو ایئر پورٹ پر سی آف کرنے آیا تھا۔

شامیر اپنے درد سے بھاگتا پھر رہا تھا۔ رومان میں اپنا وجود اٹھانے کی ہمت نہ بچی تھی تو وہ پھر ڈرائیونگ کیسے کرتا۔

سفر خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ چہروں پر سکون تھا مگر دماغ میں الجھنوں کی ایسی ڈور تھی جو دماغ کی نسوں کو ہولے ہولے کاٹ رہی تھی۔

سیلن کی آواز پر رومان اور شامیر ہوش کی دنیا میں واپس آئے۔

۔۔آپ کا پاکستان بہت خوبصورت ہے۔مجھے لگتا ہے کہ جب کبھی فرشتوں سے کوئی بھول چوک ہو جاتی ہوگی تو اللہ پاک انہیں اس سرزمین پر بھیج دیتے ہوں گے۔ یہ سرزمین صرف فرشتوں کے رہنے کے لیے بنی ہے۔ اس لیے اس سرزمین کے لوگ فرشتہ صفت ہیں۔

مہر اگر یہاں موجود ہوتی تو آج خوشی سے جھوم رہی ہوتی۔۔ شامیر میں نے سوچا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا نے جب نافرمانی کی تھی تو ان کو سزا کے طور پر زمین پر بھیج دیا گیا تھا۔ تو پھر اس زمین پر لوگ کیسے سکون ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ زمین فقط نافرمانوں کے لئے سزا کا مقام ہے۔

رومان نے تھک کے ٹوٹے لہجے سے سیلن کو جواب دیا۔

"دنیا آخرت کی کھیتی ہے"

شامیر کو غیب سے آواز سنائی دی۔ یہ آواز آج اس نے بہت عرصے بعد پھر سے سنی تھی۔

شامیر نے پوری زندگی اس کھیتی کو فرماں برداری اور عبادت سے بویا تھا۔ مگر اب اس کھیتی میں بداخلاقی کی ملاوٹ ہو گئی تھی۔

سیلن ڈیپارچر روم کی طرف جانے سے پہلے شامیر کے پاس رکی۔

مہر سے کہئے گا میں اس کا ترکی میں انتظار کروں گی۔مجھے امید ہے کہ وہ ترکی آپ کے ساتھ آئے گی۔ شامیر بھائی

سیلن کے 'بھائی' کہنے پر شامیر نے اسے حیرت سے دیکھا۔

For more visit (exponovels.com)

جب مہر رومان کو بھائی کہتی ہے تو رومان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی اپنائیت نظر آتی ہے۔

میں نے وہ اپنائیت اپنے لیے کبھی نہیں دیکھی۔ سیلن افسردہ سی شامیر کو دیکھنے لگی۔

شاہ میر نے اپنائیت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

خوش رہو۔ اللہ ہر دکھ سے امان دے۔

مجھے جب زندگی سے الجھن محسوس ہوگی۔ میں یہاں آنا چاہونگی۔ کیا مجھے آپ اپنے گاؤں آنے کی دعوت نہیں دیں گے۔۔ سیلن ذرا سا مسکرائی۔

بالکل آپ جب چاہیں آسکتی ہیں۔ بلکہ میں آپ کو یہاں کے ناردرن ایریاز دکھاؤں گا۔ مجھے یقین ہے آپ نے دنیا میں جنت نہیں دیکھی ہوگی۔

میں آپ کی جنت دیکھنا ضرور آؤں گی۔۔

رومان ان سے تھوڑا فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

سیلن اس کے پاس آئی۔

میری دعا ہے تو تمہیں کوئی ایسی ملے.جس کی پہلی اور آخری محبت صرف تم ہو۔

کیونکہ پری زاد کے سنگ ہمیشہ پریاں ہی سجا کرتی ہیں۔

سیلن رومان کہ گلے لگی۔ رومان کا تھکا ٹوٹا بدن محبت کے وجود کی تاب نہیں لا سکتا تھا وہ دو قدم پیچھے دیوار کے ساتھ جا لگا۔

اناؤسمنٹ پر سیلن دنیا کی بھیڑ میں کہیں گم ہوگئی۔ رومان وہی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا۔

محل میں کہرام مچا ہوا تھا۔ شازمان پر اسمبلی جاتے ہوئے کسی نے حملہ کیا۔ گولی شازمان کے کندھے میں جا لگی۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ کافی کریٹیکل سچویشن میں ہے۔

بڑی سرکار غم سے نڈھال چیخ رہی تھیں۔

آپ کا کیا میرے بیٹے کے آگے آگیا بڑے سرکار۔ آپ نے جو دو جانیں لیں تھی ایک جان تو میرے بیٹے کا قصاص لے لے گی۔ ہو سکتا ہے دوسری جان بھی قصاص کے لیے ہماری کسی اور اولاد کو چن لے۔۔.

۔۔۔بس کردیں غلطی ہو گئی مجھ سے پچھتا رہا ہوں۔ میں اپنے بڑے بھائی جانگیر لالا کی باتوں میں آگیا تھا۔ میں نے ہر رات توبہ کی ہے۔ میرا خدا مجھے اس طرح سزا نہیں دے سکتا۔ ۔۔سوکھاں کی جان جہانگیر لالہ نے لی تھی میں۔۔۔۔ میں نے تو سکھاں کی نشانی کی حفاظت کی ہے۔

بڑی سرکار برف کا پہاڑ بنے منجمند سی بڑے سرکار کو دیکھنے لگی۔

آپ کو یاد ہے نامیں نے اپنے ایک بے اولاد مزارے دلاور کو ایک بچہ دیا تھا۔ پالنے کے لیے وہ کوئی اور نہیں سکھاں کا بیٹا، شامیر کا شاگرد عبداللہ ہے۔

شامیر کے پیروں سے زمین نکل گئی باپ کے یہ الفاظ اس کا کلیجہ کاٹ گئے۔ وہ پاس پڑے سوفے پر گرسا گیا۔

شامیر کی نظروں میں عبداللہ کا سراپا آیا۔ بڑے سرکار نے اسے شہر خود پڑھنے کے لئے بھیجا تھا ایم اے کے بعد اسے شامیر کے حوالے کر دیا تھا اور خاص طور پر تاکید کی تھی کہ وہ عبداللہ کو حافظ قرآن بنائے اسے تفسیر پڑھائے۔
کیسے شامیر کی غیر موجودگی میں بڑے سرکار نے عبداللہ کو مسجد کا امام مقرر کیا تھا۔ وہ مزار کے حجرے تک آسانی سے رسائی رکھتا تھا۔
ایمان صحیح کہتی ہیں یہ روایات کبھی کبھی انسان نگل لیتی ہیں۔

مہر اپنی پیکنگ میں مصروف تھی۔ اس کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ اس نے ضد کر کے باپ سے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت لے لی تھی۔ کل صبح سے اس نے اپنی زندگی کو از سرِ نو شروع کرنا تھا۔ پرانے تمام قصے، تلخ یادیں وہ اپنے ساتھ نہیں لے کر جائے گی۔

پیکنگ کرتے ہوئے اسے شاہ میر کی شال نظر آئی۔ وہ لمحہ جب اس کی آنکھوں میں پھر سے جگمگایا۔
جب شاہ میر نے اس کی ذات کی توہین کی تھی۔ اس کی کردار کشی کی تھی۔ کتنی راتوں سے وہ سکون سے سو نہیں پائی تھی۔
صرف اس شال کے مالک کی وجہ سے۔

!۔۔۔ ہم جسے اپنی روح کے رزق کا ذریعہ سمجھ لیتے ہیں۔
وہ ہمارے دل پر پتھر باندھ کر کہتا ہے۔ مسکین لوگوں پر نہیں جچتا پیٹ بھر کے !کھانا۔۔۔۔۔۔۔۔

مہر نے اپنی سکیچ بک نکالی۔ اسے شال کے ساتھ رکھا بیگ سے شامیر کا دیا ہوا رومال نکالا۔ وہ تمام اثاثے اکٹھے کیے جو مل کر اس کے کردار کی توہین پر قہقہے لگاتے تھے۔

وہ دبے پاؤں محل آئی جانتی تھی کہ محل کے مکین سب زمان لالہ کے پاس شہر گئے ہیں۔

شامیر کا کمرہ کھولا اس کو وہ تمام واقعہ پھر سے یاد آیا۔ اس نے آنکھیں گھما کے دیر و دیوار کو دیکھا اسے ایسے محسوس ہوا کہ بے جان دیواریں اس پر ہنس رہی ہیں۔

اس نے تیزی سے شامیر کے بیڈ کے سائڈ ٹیبل میں موجود دراز کھولا اور وہ تحقیر آمیز اثاثے دراز میں چھپا کر واپس چلی گئی۔
اس کمرے میں اک لمحہ اور رکتی تو شاید دم گھٹ کے مر جاتی۔

زمان کو خون کی اشد ضرورت تھی۔
کہیں سے میسر نہیں ہو پا رہا تھا۔ -O بلڈ گروپ

بڑے سرکار ڈاکٹر کے آگے ہاتھ جوڑ رہے تھے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے۔

شامیر نے تڑپ کے باپ کو دیکھا۔
اگر وہ بھی بسترِ مرگ پہ ہوگا تو کیا بڑے سرکار اس کے لیے بھی ایسے ہی روئیں گے۔
اچانک اسے مہر یاد آئی کیا وہ اسے آخری بار دیکھنے آئے گی۔؟ شامیر کا دل تڑپ کے چور چور ہوا۔
بڑے سرکار نے ساری زندگی سر فخر سے بلند رکھا تھا۔ بات کرتے تو رعب دار آواز سے مقابل سہم جاتا۔ اور آج نہ گردن میں غرور تھا اور نا ہی آواز میں کوئی گرج۔

وہ سب ہسپتال کے کوریڈور میں پریشان بیٹھے تھے۔ جب ایک لڑکی سیاہ عبایا میں اپنے آپ کو چھپائے ان کے سامنے رکی۔

میں زمان کو بلڈ دینے آئی ہوں۔

کوریڈور میں موجود سب ہی زی روح تشکراور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے لڑکی کو دیکھنے لگے۔

شاذین لڑکی کو ہاسپٹل میں بلڈ بینک کی طرف لے گیا۔ شامیر بھی ان کے پیچھے ہولیا۔ جیسے ہی لڑکی نے چہرے سے نقاب ہٹایا۔

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

یہ لڑکی کوئی اور نہیں ملک کی معروف ماڈل اور ایکٹر کشف گیلانی تھی۔
میڈیا پر اکثر اس کو زمان کے ساتھ دیکھا گیا۔
مگر زمان یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ الیکشن کے لیے اس کی خدمات لے رہے ہیں۔

آج کشف کی سوجھی ہوئی آنکھیں کوئی اور ہی کہانی بتا رہی تھیں۔
کشف کا بلڈ میچ ہوگیا تھا۔ زمان کی جان کشف نے بچالی تھی۔

مگر محل والوں پر ایک اور بم گرا تھا۔ زمان نے کشف سے سال پہلے شادی کرلی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

مگر باپ کی روایات اس شادی کو اعلانیہ ہونے سے روک رہی تھی۔ اور آج یہ کسر بھی پوری ہو گئ تھی۔

بڑے سرکار کو بی جی کی باتیں یاد آیئں۔

ان کا تخت سچ میں الٹنے والا ہے۔

عربی کہاوت ہے؛

"جب گھر کا بڑا بزرگ طبلہ بجا رہا ہو تو اس کی اولاد کو رقص کرنے پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔"

آج محل والوں کے الفاظ خاموش تھے۔ مگر احساسات چیخ رہے تھے۔ ہسپتال کی بے جان دیواریں تعزیت کرتی نظر آرہی تھیں۔

بارہ تیرہ کلو میٹر دور مہر آج آخری بار پچھلے دنوں کی ایک ایک بات یاد کرنا چاہ رہی تھی۔ تاکہ انہیں کسی پرانے زنگ آلود صندوق میں دفن کر کے ہمیشہ کے لئے غرق کر دے۔

بہاولپور میں رات کو جما دینے والی سردی ہوتی ہے۔ دن سارا تو ریت سورج کی تپش سے زمین کی تاثیر گرم رکھتی ہے۔ مگر رات میں شاید لوگوں کے ضمیر کی طرح ریت بھی سو جاتی ہے۔

مہر پرانی سی شال اوڑھے حویلی کے لان میں چکر کاٹ رہی تھی۔ کچھ دور پودوں کے پاس اسے ایک چھوٹے کتے کے سسکنے کی آواز سنائی دی۔

مہر نے آگے بڑھ کے وہ چھوٹا کتا اٹھایا۔ اس نے تڑپ کے شامیر کو یاد کیا۔ مگر پھر سر جھٹک دیا۔
ادھر ادھر دیکھا شاید اس کی ماں کہیں سے آ جائے۔ مگر سردی کے باعث وہ کتا کانپ کر رہا تھا۔ شامیر پر لاکھ غصہ سہی مگر وہ ایک جان کو سردی میں مرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔
وہ کتے کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس کو تولیے سے صاف کیا اور ہیٹر کے پاس رکھا۔
اسے بار بار شامیر کی بتائی ہوئی کتوں کے متعلق باتیں یاد آ رہی تھیں۔

کتا اس سے سہما ہوا تھا۔ آسانی سے گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔
اسے وہیں چھوڑ کر کچن سے گرم دودھ لے کے آئی۔ کتا شاید بھوکا تھا۔ وہ فوراً سے دودھ پینے لگا۔
چارلی جو کہیں سے گھومتا گھماتا اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گیا تھا کتے کو دیکھ کر عجیب سی آوازیں نکالنے لگا۔
اسے پسند نہیں آیا تھا کہ اس کے حصے کی محبت بٹ جائے۔
اس نے آگے بڑھتے چارلی کو اٹھایا۔
اس کی گردن کے نچلے حصے پر اپنی انگلیوں سے مساج کرنے لگی۔ چارلی اس کا لمس پہچانتا تھا اس کی باہوں میں کسی چھوٹے بچے کی طرح آنکھیں موندنے لگا۔
وہ چارلی کو لے کے کتے کے پاس بیٹھ گئی۔
اب چارلی کتے سے خار نہیں کھا رہا تھا۔

۔۔۔آؤ چارلی میں تمہاری دوستی کرواتی ہوں۔۔
اس سے ملو یہ ہے ہمارا نیا فرینڈ میکس

چارلی سکون سے میکس کے پاس بیٹھ گیا۔

جانور بھی محبت کی زبان سمجھتے ہیں۔ مگر انسان نے ہمیشہ سے محبت کے نام پر اپنی ذات کی تذلیل ہی کروائی ہے۔

مہر کو اب لفظ محبت سے نفرت تھی۔

زمان ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آگیا تھا۔ بڑے سرکار ایک بار بھی اس کے کمرے میں نہیں آئے تھے۔

بچے باپ کا سایہ تک نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ابھی بھی زینب اور حسن وہیں موجود تھے۔
بچے باپ کی چوٹیں دیکھ کر ڈرے ہوئے تھے۔
زینب باپ کے برابر میں ہی سو گئی تھی۔

حسن کو بڑی سرکار نے کھانا کھانے کے لئے بھیج دیا تھا۔

۔۔زمان میرے بچے کم از کم مجھے تو بتایا ہوتا کشف کے بارے میں۔مجھے دن رات تیری فکر کھائے جاتی تھی۔ رات دن یہی سوچتی تھی کہ تو کیسے اتنی لمبی زندگی اکیلے گزارے گا۔۔۔بڑی سرکار اسے دم والا پانی پلانے کے بعد بولیں۔

۔۔اماں سرکار معاف کر دیں۔ میں بس بابا سرکار سے ڈرتا تھا۔کشف بہت اچھی ہے۔ بہت خیال رکھنے والی ہے۔۔۔۔زمان شاید ماں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

۔۔مانتی ہوں اچھی ہوگی۔ مگر اس کا پیشہ ہمارے خاندان سے میل نہیں کھاتا۔

ماں اس نے میرے لئے سب چھوڑ دیا ہے۔ جب سے شادی ہوئی ہے اس نے ایک قدم بھی گھر سے میری اجازت کے بغیر نہیں نکالا۔ بلکہ وہ تو بہت اصرار کرتی تھی کہ میں اسے آپ لوگوں سے ملوؤں بچوں سے ملواؤں۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور شامیر کمرے میں داخل ہوا بڑی سرکار نے پیار
بھری نظر سے بیٹے کو دیکھا۔

لالہ اب طبیعت کیسی ہے؟۔۔۔

میں ٹھیک ہوں۔ مگر تم کچھ بیمار لگ رہے ہو۔ کیا ہوا سب ٹھیک ہے نا۔۔۔۔ زمان اس
کی سرخ آنکھیں دیکھ کر پریشان ہوا۔

جی جی بھائی میں ٹھیک ہوں۔مجھے آپ لوگوں کو ایک خاص بات بتانی ہے۔

زمان اور بڑی سرکار سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

For more visit (exponovels.com)

آپکو پتہ ہے نا میں رومان کے ساتھ روہی گیا تھا۔ وہاں جامعہ الصادق مسجد پر مجھے عبداللہ کے بابا ہمارے پھوپھا ملے تھے۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے پھوپھو کی قبر پر آ کے بیٹھ گئے ہیں۔ انہیں عبداللہ کے بارے میں بھی نہیں پتا۔

زمان اٹھ کے بیٹھا۔
تمہیں کیسے پتا وہ وہی ہیں۔۔۔

انہوں نے اپنی کہانی سنائی تھی۔ سکھاں پھوپھو کا ذکر بھی کیا تھا۔ شامیر نے انہیں تمام روداد سنائی۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں عبداللہ کو کس طرح سے سچائی بتاؤں۔ کیسے اسے اس کے باپ تک پہنچاؤں۔

ہم کسی کو بھیج کر انہیں یہاں بلوا لیتے ہیں۔ بابا سائیں کو بھی ان سے معافی مانگنی چاہیے۔۔۔
زمان نے رائے دی۔

ٹھیک ہے بھائی۔ جیسا آپ کو بہتر لگے۔
شامیر بات ختم کر کے جانے لگا تو زمان نے اسے پکارا۔

میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں۔ کبھی خود کو تنہا مت سمجھنا۔
شامیر ذرا سا مسکرا کر چلا گیا۔

بشارت سائیں اسے چھوڑنے جا رہے تھے۔ وہ جاتے ہوئے ماں کے گلے لگ کر بہت سارا روئی۔ جیسے اسے یقین ہو کہ وہ آج سارے آنسو بہا دے گئی تو پھر کبھی نہیں روئے گی۔

۔۔۔ میرا بچہ روتی کیوں ہے۔ شہر کون سا دور ہے۔ جب دل کیا آجانا۔ میں بھی تو آتی رہوں گی پھر ایمان بھی تو وہی ہے۔۔۔ زلیخہ بی بی اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔

مہر تھکے تھکے قدم اٹھاتی گیراج تک آئی۔ اس نے ایک نظر محل کی اونچی درو دیوار کو دیکھا۔
آنکھیں ایک بار پھر برسنے کو تیار ہوئیں۔ مگر
بشارت سائیں کی آواز پر وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔
سارا رستہ خاموش رہی۔ بشارت سائیں ڈرائیور کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

گاؤں کی آخری حد پہ اسے وہ کھیت نظر آیا یہاں اس نے ایک پنچھی کے ساتھ چاٹ کھا رہی تھی۔

محبوب جب بچھڑ جاتا ہے۔ تو ایک کرخت پنچھی بن جاتا ہے۔ پھر پنچھی کی مرضی وہ جس ڈال پہ بیٹھے۔ جیسی اڑان چاہے اڑے۔ چاہے تو عقاب بن جائے یا پھر گدھ۔

شامیر کمرے میں آیا ہی تھا کہ اسے ایک انجانے سے احساس نے آن گھیرا۔ دل عجیب لے میں دھڑکا تھا۔

اس نے سر جھٹک کر کلائی پر بندھی گھڑی اتاری دراز کھول کے رکھنے لگا تو وہ اس میں سکیچ بک دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

بک کے اوپر وہی رومال پڑا تھا جو اس نے مہر کو دیا۔

اس نے بک کھولی۔

ہر صفحے پر شامیر کا سکیچ تھا اور ساتھ کوئی تحریر بھی درج تھی۔

حاکم ،امیر، سلطان جیسے الفاظ شاہ میر کے لیے ادا ہوئے تھے۔

خادم، کنیز، غلام جیسے لفظ اس نے اپنی ذات کے لیے لکھے تھے۔

شامیر کو لگا کے وہ سانس نہیں لے پائے گا۔

بک کے آخری صفحے پر ایک خط لکھا تھا۔

شامیر نے خط پڑھنا شروع کیا۔

For more visit (exponovels.com)

۔۔ سمجھ نہیں آرہا کہاں سے شروع کروں۔ وہاں سے شروع کرتی ہوں جب میرے دل نے آپ کا نام لینا شروع کیا تھا۔ جب میری آنکھیں آپ کو ایک بار دیکھنے کے لئے مچلتی تھیں۔

میں ماں سے چھپتی چھپاتی چھت پہ آپ کو دیکھنے کے لئے آتی تھی۔

کبھی عنایت ہو جاتی تو آپ مجھ سے بات کر لیتے۔ ورنہ دور سے ہی دیکھ کر دل کو تسلی دے لیتی۔ ہمیشہ رب تعالی سے یہی دعا کرتی کہ آپ کے دل میں میرے لیے محبت پیدا کر دے۔ یقین کریں آپ کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا سب سے بڑی خواہش بن گئ تھی۔

میں نے ہر اس چیز سے عشق کیا جو آپ کو پسند تھی۔ پھر چاہے وہ آپ کے مرید ہوں، آپ کی عطر کی خوشبو ہو، یا پھر نصرت صاحب کا کلام ہو۔ یہاں تک کہ کتوں سے بھی پیار کرنے لگی۔

میں اذان کے ایک ایک لفظ کو عقیدت سے آپ کے پیچھے دہراتی۔ جمعے والے دن کا بے صبری سے انتظار کرتی۔ آپ کی خوبصورت آواز میں نعت سننا میرے لئے باعث شرف تھا۔ میں خدا کے قریب کبھی نہیں تھی۔ مگر آپ کے لیے خدا سے مانگنا شروع کیا۔
میرے لیے خوشگوار لمحات وہ ہوتے جب جب آپ میرے ساتھ ہوتے۔ مگر میں غلط پٹڑی پر چلتی رہی۔
ہوش تب آئی جب آپ نے میرے کردار کو گندگی سمجھا۔ آپ نے مجھے ذلت کی اس کھائی میں پھینک دیا ہے۔ جہاں میں خود سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہی۔ زندگی ختم کرنے کی بارہا کوشش کی مگر ذہن ایک ہی سوال پہ اٹک جاتا ہے۔ ایسے انسان کے لیے حرام موت مروگی۔ جو عورت ذات کو بس جسم کی حد تک دیکھتا ہے!
جس شدت سے آپ سے محبت کی تھی۔ اتنی ہی شدت سے آج سے نفرت کروں گی۔
آپ تو پیر بننے کے بھی لائق نہیں ہیں۔ پیر تو اپنے مریدوں کی آنکھوں میں عقیدت پڑھ لیتا ہے مگر افسوس نا تو آپ میری عقیدت دیکھ پائے نا ہی محبت۔۔۔!

شاہ میر کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اس نے اپنے دل پہ گھونسا مارا تاکہ رکتے دل کو پھر سے چلا سکے۔ اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھی۔ وہ زمین میں گڑھتا جا رہا تھا۔
آنسو کا گرم لاوا اس کے چہرے کو جلا رہا تھا۔ اس کے لب شدت سے اس مہربان کو پکار رہے تھے۔

انت الحیات، انت الحب۔۔۔۔

عزیزِ قلب، سکونِ نظر۔۔۔

یارم، جانم۔۔۔۔

ماہی، صنم۔۔۔۔

جانِ من، جانِ قلب۔۔۔۔۔

مہر ہوسٹل میں اپنی وارڈروب سیٹ کرنے کے بعد تھکی تھکی سے بیڈ پر بیٹھی۔ ہمیشہ مصروف رہنے والی لڑکی کو آج کرنے کو کوئی کام نہیں مل رہا تھا۔

اس کی دو روم میٹس یونیورسٹی گھومنے جا چکی تھیں۔ بہت اصرار کے بعد بھی وہ ان کے ساتھ نہیں گئی۔

اس نے بیگ سے اپنی ایک پارٹیشن رجسٹر نکالی۔ کچی پنسل ہاتھ میں لیے بیٹھ گئی۔ شاید کچھ ڈراء کرنے والی تھی۔

اسے شدت سے یاد آیا وہ کیسے خوش ہو کے شامیر کا اسکیچ بنایا کرتی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے رجسٹر بند کیا۔ پینسل بھی وہی اچھال دی۔

پرانی سوچوں کے گرداب اس کے گرد دائرہ بنانے لگے۔ وہ اس اذیت سے نکلنا چاہتی تھی۔

اس نے اپنی انگلیوں کو زور سے چٹخایا اور دوبارہ رجسٹر پینسل اٹھا کر بیٹھ گئی۔

آج وہ سکیچ نہیں بلکہ کیلیگرافی کرنے جا رہی تھی۔

مامضی، قد مضی

!جو جا چکا، وہ جا چکا۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

خوبصورت کیلیگرافک فارم میں اس نے عربی کے چند الفاظ لکھے۔

سرخ بریک بارڈر کے اندر سیاہ رنگ نفاست سے رنگ بھر دیا۔

نازک آنسو اس کی دائیں آنکھ میں تیرنے لگا۔ اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔

اب وہ مزید اپنی توہین نہیں ہونے دے گی وہ اپنے ضبط کو ان آنسو سے بھی پامال نہیں ہونے دے گی۔

شامیر نے امامت کروانا چھوڑ دی تھی۔ اس کو اپنی روح میں پاکیزگی نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے ایک لڑکی کی کردار پہ حملہ کر کے اپنی روح کو زخمی کر لیا تھا۔

مگر اس کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا۔

وہ آج بھی مسجد نہیں گیا عبداللہ اسے ڈھونڈتے ہوئے مزار کے حجرے میں آیا۔ وہ خالی کمرے میں قالین پہ لیٹا ہوا تھا۔ دائیں بازو سے آنکھوں کو چھپا رکھا تھا۔

عبداللہ کے سلام کہنے پر اس نے بازو ہٹا کے دیکھا۔ اور ہنوز لیٹ رہا۔

بھائی کیا ہوگیا ہے۔ آپ مسجد بھی نہیں آتے۔ میں پریشان ہوں آپ کے لئے۔۔۔۔

میں الجھ گیا ہوں عبداللہ۔۔۔۔ ان کچھ دنوں میں مجھ پر اتنے راز عیاں ہوئے ہیں۔مجھے لگتا ہے میں نے اپنی پچھلی زندگی ایک کال کوٹھڑی میں گزار دی۔ اب یہ روشنی میری آنکھوں کو چندھیا رہی ہے۔

ہم سب کے نصیب میں پہیلیاں لکھی ہوتی ہیں۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ ہم پر ظاہر ہوتی ہیں۔۔۔

اب شامیر اٹھ کے بیٹھا
کیا تم میں بھی کوئی پہیلی ہے۔۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

میری تو ذات ہی پہیلیوں سے مل کر بنی ہے۔۔۔ عبداللہ ذرا سا مسکرایا

تم نے کتنی پہیلیاں حل کر لیں۔۔ شامیر نے اس کو مسکراتے ہوئے، حیرانی سے دیکھا۔

میں اپنی ماں تک پہنچ چکا ہوں۔ صرف باپ کو ڈھونڈنا باقی ہے۔۔۔ شامیر کو لگا اس پر کسی نے بجلی گرادی ہے۔

تم کیسے جانتے ہو یہ سب کس نے بتایا؟۔۔۔

میری ماں نے۔!جس نے مجھے پالا۔ اس غریب نے بس مجھے پیدا نہیں کیا مگر میری پرورش سگی ماں کی طرح کی ہے۔

شامیر کے پاس الفاظ ختم ہو گئے۔

For more visit (exponovels.com)

آپ کو یاد ہے میں پہلے آپ کو شامیر سائیں کہتا تھا پھر میں نے آپ کو بھائی کہنا شروع کیا۔ کیونکہ مجھے پتا چل گیا تھا کہ آپ میرے بھائی ہو۔ میری ماں کے بھتیجے۔۔۔
عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔

کیا تم ہمیں کبھی معاف کرپاؤ گے۔۔شامیر تھکا تھکا سا بولا۔

آپ کے بابا نے تو میری جان بچائی۔ ورنہ میں بھی آج اپنی ماں کی طرح کسی ویران جگہ پر اندھیری قبر میں پڑا ہوتا۔
شامیر نے اسے تڑپ کے دیکھا۔

میں تمہارے بابا کو جانتا ہوں۔ میں ملا ہوں ان سے۔۔۔

کیا۔۔۔کہاں۔۔کب۔۔۔کیسے۔۔۔عبداللہ بے چین پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگا۔

وہ روہی میں جامعہ الصادق مسجد میں ہیں۔
زمان بھائی نے بھیجا ہے کچھ لوگوں کو وہ آج انہیں یہاں لے آئیں گے۔۔۔

میرا باپ۔۔۔ میرے بابا۔۔۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار مار کر شامیر سے پوچھ رہا تھا جیسے یقین نہ آرہا ہو۔
میں آج ان سے ملنے والا ہوں۔ یا الہی تیرا شکر ہے۔
عبداللہ وہی سجدے میں گر گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زمان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود کشف محل آگئ تھی۔ بڑی سرکار اسے دیکھ کے دہل گئیں۔

بڑی سرکار میں آپ سے بھیک مانگتی ہوں مجھے میرے شوہر کو ایک نظر دیکھنے لینے دیں۔
کشف کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بڑے سرکار اسے چھپ چھپا کے زمان کے کمرے میں لے آئ۔
ملازموں کو خاص تاکید کی کہ کوئی زمان کے کمرے کی طرف بھی نہ آئے۔

شامیر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ کشف کو دیکھ کر اس نے حیرانی سے بھائی کو دیکھا۔ پھر ماں کی طرف رخ کیا۔

اماں سرکار آپ نے یاد کیا۔

بیٹا دیکھو۔ یہ لڑکی کی زمان سے ملنے آگئی ہے۔ تمہارے بابا سرکار کو پتہ چلا تو وہ قیامت لے آئیں گے۔۔۔

کچھ نہیں ہوگا اماں سرکار۔۔ یہ لڑکی اب میری بھابھی اور آپ کی بہو ہیں۔ اس محل کی عزت۔ آپ فکر نہ کریں۔ جو کچھ ہو چکا ہے اب اس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوگا۔۔۔

۔۔ بھائی آپ نے اچھا کیا جو بابھی کو بلا لیا۔ ان کو بچوں سے ملوایا آپ نے؟۔۔۔ شامیر ماحول کا تناؤ کچھ کم کرنا چاہ رہا تھا۔

شکریہ میرے بھائی۔ زمان نے تشکرامیز رویے سے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

For more visit (exponovels.com)

آپ فکر نہ کریں۔ میں بچوں کو بھیجتا ہوں مجھی امید ہے با بھی اچھی ماں ثابت ہو گی۔۔۔شامیر کا رخ کشف کی جانب تھا۔

کشف نے اثبات میں سر ہلایا۔

بڑے سرکار مردان خانے کے حجرے سے باہر نہیں آرہے تھے۔ وقت نے کڑا امتحان لیا تھا ان سے۔ اپنی ہی اولاد کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں بچی تھی۔۔۔

شامیر بے صبری سے عبداللہ کے بابا کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر وقت نے ایک بار پھر بے رحمی کا مظاہرہ کیا۔
جو لوگ ان کو لینے گئے تھے۔ وہ خالی ہاتھ لوٹ آئے۔

۔ ۔ سرکاران کا تین دن پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کو وہیں دفن کردیا گیا۔
شامیر نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنے آپ کو کھڑا کیا۔

پاس بیٹھے عبداللہ کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہ بہا۔ شاید اس نے اپنے آپ کو پتھر کرلیا تھا۔

شامیر نے اس کے پاس بیٹھ کے اس کے کندھے پر ہو ہاتھ رکھا۔
عبداللہ نے خالی خالی آنکھوں سے شامیر کو دیکھا۔
میرے ماں باپ میرے پاس ہی ہیں۔ جو جا چکے اللہ ان کو جنت میں جگہ دے۔
عبداللہ بات ختم کر کے وہاں سے چلا گیا۔

کیا عبداللہ وقت کی مار کھا کھا کے پتھر ہو چکا ہے۔ اتنا ضبط اتنی سی عمر میں یقیناً رب نے اسے پہلے ہی خبر کردی تھی تاکہ وہ اپنے آپ کو تیار کرلے۔
جو ایک بار اس سے بچھڑ گئے تھے۔ وہ دوبارہ بھی اسے کبھی نہیں ملنے تھے۔

For more visit (exponovels.com)

مہر کی روم میٹ نے اس کی کیلی گرافی کی فوٹوز انسٹاگرام پر پوسٹ کردی تھیں۔

اسے خوب پذیرائی ملی تھی۔ مہر نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب کیلی گرافی کے لئے باقاعدہ کلاسسز لے گی۔

وہ سکیچ بک اٹھائے آج بھی کسی تحریر کو رنگوں سے بھر رہی تھی۔

أحب نفسک أولا
Loveyourselffirst

مہر کیلیگرافی کو دیکھ کے خوش ہوئی۔
اس نے پچھلے اوراق پلٹنا شروع کیے۔
ہر ورق پر خوبصورت کیلیگرافی نقش کی ہوئی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

كُن قوياًلأجلك. Staystrongfor
yourself

لاتخف من شيء Fearnothing

انا معفن Appreciatelif

حلم، صدق، تجرأ، افعل
Dream,believe,dare,do

کشف بچوں سے خوب گھل مل گئی تھی۔ زینب اسے ماما کہتی تو سرشار ہوکر زینب کو گلے سے لگا لیتی۔ حسن اپنی ڈرائنگز ماں باپ کو دکھا دکھا کر خوش ہوتا۔

For more visit (exponovels.com)

زمان دل ہی دل میں ان خوشیوں کے برقرار رہنے کی دعا کر رہا تھا۔

کبھی کبھی غیبی طاقتیں ہمارے تھکے ہارے بدن کو ڈھانپ لیتی ہیں۔
اللہ نے ابراہیم کے لیے آگ گلزار کر دی تھی۔ موسیٰ کے لیے گہرے سمندر کو چیر دیا تھا۔
کیونکہ ان کو یقین تھا۔ رحمت باری تعالیٰ پر توکل تھا۔ پھر توکل والوں کے لئے ہی غیبی امداد اترتی ہے۔

بڑے سرکار کے حکم پر محل کے تمام مکینوں کو بڑے ہال میں جمع کر لیا گیا تھا۔

ایمان شاہ ذین کو شہر سے بلوا لیا گیا تھا۔ شاہ زمان اور کشف کو بلوانے کے لیے بھی حکم آیا تھا۔ وہ تو پھر پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔ بشارت سائیں اور زلیخہ بی بی بھی آ گئے تھے۔
مہر کو بھی ہاسٹل سے لے آئے تھے۔ شامیر اس کے عقب میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مہر کی آنکھوں میں اس نے اپنے لیے نفرت دیکھی تھی۔
وہ اپنے ہاتھوں میں آنے والے پسینے کو بار بار اپنی شال سے رگڑ رہا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

وہاں موجود تمام زی روح دم سادھے بیٹھے تھے۔
بیرونی دروازہ کھلا بڑے سرکار قدم قدم چلتے ان کے پاس آئے۔ تمام مکین ان کے جاہ و جلال کو دیکھتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔
بڑے سرکار ایک اکلوتی کرسی پر براجمان ہوئے۔ اور سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
بیرونی دروازہ ایک بار پھر کھلنے کی آواز آئی۔
بڑے سرکار کے ساتھ ساتھ وہاں موجود تمام لوگوں نے رخ موڑ کر پیچھے دیکھا۔

عبداللہ سوچ سوچ کر قدم رکھتا ان کی طرف آیا۔

شامیر عبداللہ کو دیکھ کر سکتے میں آگیا۔
باقی تمام لوگ بھی حیرانگی کے مجسمے بن گئے۔

بڑے سرکار کے اشارہ کرنے پر عبداللہ شاہ میر کے عقب میں بیٹھا۔

بی جان کچھ فائلز لے کر ان کی طرف آئیں۔

شازمان ، شامیر ، شاہ زین اور عبداللہ کو ایک ایک فائل تھما دی ۔

۔۔۔ میں نے تمام جائیداد تم چاروں میں برابر بانٹ دی ہے ۔ عبداللہ کو اس کی ماں کا حصہ ایک کوڑی کے بھی کھوٹ کے بغیر دیا ہے ۔

گدی بہر حال شاہ میر کے پاس ہی ہے ۔ کیونکہ ان کے دادا اور میرے والد صاحب نے یہ فیصلہ کیا تھا ۔ گدی کی نسبت سے یہ محل بھی شامیر کے حصے میں آیا ہے ۔ باقی سب لوگ بھی جب چاہیں جیسے چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں ۔

بڑے سرکار اٹھے اور اپنا شملہ اتار کے شامیر کے سر پہ رکھ دیا ۔

شامیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے باپ کو دیکھنے لگا ۔

مہر کو اس سارے تماشے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لگ رہی تھی ۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی ۔ اسے مزید شامیر کی آنکھوں کی تپش برداشت نہیں ہو رہی تھی ۔

بڑے سرکار بشارت سائیں اور زلیخہ بی بی کے سامنے کھڑے ہوئے ۔

۔۔۔میں آپ لوگوں سے اپنے بیٹے پیر شامیر کے لئے آپ کی بیٹی مہر بانو شاہ کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔۔

مہر کو لگا اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہے۔اس نے شعلہ بار آنکھوں سے شامیر اور پھر بڑے سرکار کو دیکھا۔

بشارت سائیں نے اپنی بیٹی کو ایک نظر دیکھا۔
مہر نے نفی سے سر ہلایا۔
اور آنکھوں سے انگارے برساتی شامیر کو دیکھتی وہاں سے اٹھ کے چھت کے راستے اپنی حویلی کی طرف بڑھ گئ۔

بشارت سائیں بیٹی کی بدتمیزی پر تڑپ اٹھے۔

مجھے رشتہ منظور ہے لالا۔۔۔انہوں نے فورا بیٹی کی بدتمیزی کو کور اپ کیا۔

جزاک اللہ۔۔۔میری طرف اگر کسی اور کا کوئی حساب نکلتا ہے تو وہ میرے سے بلا جھجک اپنا حساب چکتا کر لے۔۔۔

بڑے سرکار نے ایک نظر وہاں موجود چار نوجوان لڑکوں کو دیکھا۔اور آخر میں ایک چور نظر اپنی بیوی پر ڈالی۔

نہیں بابا سرکار ہمیں کوئی گلا نہیں ہے۔۔

تینوں بیٹوں نے باپ کا مان رکھ لیا تھا۔

آپ نے میری جان بچائی۔۔میں اس کے لئے آپ کا مشکور ہوں۔۔۔آخر میں عبداللہ بولا

بڑے سرکار نے اس کے سر پر اپنائیت سے ہاتھ رکھا۔

اس سے پہلے کہ بڑے سرکار وہاں سے جانے کے لیے قدم اٹھاتے۔شامیر کی آواز پر رکے۔

۔ ۔ میں مہر سے خود بات کرنا چاہتا ہوں ۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی زبردستی ہو۔

بڑے سرکار نے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے چلے گئے ۔
پتھر کے مجسموں میں وہاں اب جان آ گئی تھی ۔ بڑی سرکار نے اپنے تینوں بیٹوں کو گلے سے لگایا۔ ایمان اور بڑی بہو کشف کو دعا دی ۔ اور آخر میں عبداللہ کہ چہرے کو نرمی سے چھوا۔
بشارت سائیں نے آگے بڑھ کر عبداللہ کے سر پہ ہاتھ رکھا ۔

آج محل والوں کے اندھیروں کو روشنی سے منور کر دیا گیا تھا۔ ان کو بند آنکھوں سے بھی صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ اللہ نے یہ بصارت تو ان کو ان کی نیک نیتی پر نوازی تھی ۔
"اور بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

مہر بھاگتی دوڑتی اپنے کمرے تک پہنچی ۔ دوپٹہ اتار کر بیڈ پہ پھینکا ۔

لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی اسے سانس لینے میں رکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔
آنکھوں سے گرم سیال مایا بہہ رہا تھا۔ شاید دل زمستاں پگھل رہا تھا۔

۔۔ یاالٰہی یہ کیسی آزمائش ہے جس انسان نے میرے کردار پر نقب لگائی آج اسی انسان کو میرا سائبان بنانے کی بات ہو رہی ہے۔
میں اپنے کردار کی پاکیزگی اس کے آگے نہیں ثابت کر پائی۔
وہ زاروقطار رو رہی تھی۔ کمرے میں اچانک گھٹن بڑھ گئی۔ وہ اسی طرح بغیر دوپٹے کے حویلی کی چھت پر آ گئی۔
کھڑے رہنے کی ہمت نہیں تھی۔ اسٹینڈ میں لگے جھولے پر بیٹھ گئی۔
منہ کو ہاتھوں کے پیالے میں چھپا لیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کی سسکیوں میں کسی ساز کی طرح لگ رہے تھے۔

سردی کی وجہ سے مہر نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔ مخالف بازو پر ہاتھوں کی گرفت مضبوط کی۔ دماغ میں نئی پرانی باتوں کے ڈھیر لگتے جا رہے تھے۔ پیروں کے ساتھ پنڈلیوں کو بھی روانی سے جمبش دے رہی تھی۔

اسے اپنے عقب میں آہٹ محسوس ہوئی۔
شاہ میر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پتھر ہو گئں۔
شاہ میر نے اپنی شال اتار کر اس کے کندھوں پر سجائی۔
وہ تڑپ کے کھڑی ہوئی شال اتار کر وہی پھینک دی۔

۔ مجھ سے دور رہیں۔۔۔ شہادت کی انگلی اٹھا کر کھا جانے والی آنکھوں سے شامیر کو دیکھا۔ اور جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

شامیر اس کے عین قریب سامنے کھڑا ہوا۔
مہر اس سے دو قدم پیچھے ہٹی دیوار سے جا لگی۔
شاہ میر نے اس کے اطراف اپنی باہوں کا گھیرا بنا کر دیوار پہ ہاتھ رکھے۔

ایک دفعہ میری بات سن لو۔ پھر چاہے جو مرضی فیصلہ کرنا۔۔۔

For more visit (exponovels.com)

سن تو لی تھی اس دن آپکی بات جب آپ نے مجھے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکا یا تھا۔ یاد تو ہو گا!۔۔۔۔

مہر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اسے آج شاہ میر کے آگے دو پٹے کی بھی پرواہ نہیں تھی۔

معاف کر دو۔۔۔۔۔

کس بات کی معافی؟ میرے عزت کی دھجیاں اڑانے کے لئے۔ یا میرے کردار کو گندا کہنے کے لئے؟۔۔۔۔

ہر چیز کے لئے۔۔۔۔

کتنا آسان ہوتا ہے نہ آپ مردوں کے لیے پہلے کھل کے عورت ذات کی تذلیل کرو، پھر اس کی روح چھلنی کر دو۔ اور پھر بعد میں معافی مانگ لو۔۔۔۔ مہر استہزائیہ لہجے میں بولی۔

میں وہ سب نہیں کہنا چاہتا تھا۔ میں مجبور تھا۔ میں تمہیں بس کسی طرح اپنی طرف بڑھنے سے روکنا چاہتا تھا۔۔۔۔

تو اس لیے آپ نے میرے کردار کو گندہ۔۔۔۔

شامیر نے اس کے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کے اسے مزید بولنے سے روکا۔

خدا کا واسطہ ہے اپنے لئے بار بار یہ لفظ مت دوہراؤ۔ تم جانتی ہو تمہاری عزت تمہارا کردار میرے لیے سدرۃ المنتہیٰ کا مقام ہے۔ میں اس سے آگے بڑھوں گا تو جل کر مر جاؤں گا۔

۔۔ مرد کبھی نہیں مرتے۔ کبھی سنا ہے آپ نے کوئی مرد مر گیا ہوں محبت میں۔ مگر آپ یہ نہیں جانتے شاید، عورت اپنی عزت کے لئے سو کروڑ محبتوں کو بھی وار کے پھینک سکتی ہے۔

میری سو محبتیں بھی ہوتیں۔ تو اپنی عزت پر ان تمام کو قربان کر دیتی۔۔

۔۔میں تمہیں اجازت ہی نہیں دوں گا کہ تم میرے علاوہ کسی اور سے محبت کرو۔ سو تو بہت دور کی بات ہے۔۔۔شامیر نے جھک کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

مہر کو اپنا دل بھاگتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے رخ پھیر لیا۔

شامیر نے اس کے گرد سے باہوں کی باڑ ہٹائی۔ جیسے اسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں جائے گی۔
وہ مہر کے برابر میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔ دور چمکتا آسمان اسے خوبصورت لگ رہا تھا۔

آپ کون ہوتے ہیں مجھے اجازت دینے والے۔۔۔۔'

اپنے دل سے پوچھو۔۔۔۔

میرا دل آپ نے چھوڑا ہی کہاں ہے؟۔۔ توڑ تو دیا تھا۔

شرمندہ ہوں۔ اب جوڑنا چاہتا ہوں۔

اتنا آسان ہے۔۔۔۔

مشکل بھی نہیں ہے۔۔۔

مرد نے عورت کو ہمیشہ آسان حدف ہی تو سمجھا ہے۔۔۔

کیونکہ ہم مرد جانتے ہیں عورت کو پیار کی مٹی سے گوندھا گیا ہے۔۔۔۔

اس لیے مرد ہمیں ہر بار اذیت دیتے ہیں۔ پیر کی جوتی سمجھتے ہیں۔

غلط۔۔۔ عورت کو مرد کے دل پر راج کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس لئے تو اسے مرد کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔

عورت تکلیف میں ہو تو مرد بھی چین سے نہیں رہتا۔ میری آنکھیں دیکھ کر تمہیں نہیں لگتا کہ میں بہت رویا ہوں گا۔

مہر کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔ اس نے ذرا سا رخ موڑ کے شامیر کو دیکھا۔

میں بھی بہت روئی ہوں۔ تب سے آج تک ہر رات اذیت میں گزری ہے۔۔۔ اب کی بار مہر کی آواز بہت دھیمی تھی۔

شامیر ایک پل میں سیدھا ہوا۔ اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اپنے دل پہ رکھا۔

میرا دل، میری روح تمہارے بغیر ادھوری ہے۔
شامیر شاہ کو مہر بانو شاہ کی اشد ضرورت ہے۔

مہر کی آنکھوں سے موتی امڈ کر باہر آئے۔

شامیر نے آگے بڑھ کر ان موتیوں کو اپنے لبوں سے چھوا۔

مہر کے ہاتھ بے اختیار اس کے چوڑے سینے تک گئے۔

شامیر اس پر مُہر ثبت کر کے پیچھے ہوا۔ مہر نے جھینپ کے شامیر کو دیکھا ہے۔

۔۔وعدہ کرتا ہوں ان آنکھوں میں آج کے بعد کبھی آنسو نہیں آئیں گے۔ ہر نئے دن کے ساتھ میرے محبت کا نیا روپ دیکھو گی۔ میرا عشق ہم دونوں کی ذات کو مکمل کر دے گا۔۔۔

اس نے آگے بڑھ کے مہر کو بازوؤں کے حصار میں لیا۔ شامیر کی شال میں وہ چھپ گئی تھی۔ اب اسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔

مہر نے آنکھیں موند کر شامیر کے لمس کو اپنے اندر اتارا۔

۔۔۔ توبہ توبہ قیامت کی نشانیاں ہیں بھئ۔ زمانے سے تو شرم وحیا ہی اٹھ گئ ہے۔

ذین کی آواز پر وہ دو قدم شامیر سے دور ہوئ۔
شامیر نے رخ موڑ کے ذین کو دیکھا۔ مہر شامیر کے عقب میں چھپ گئ۔

ذین مسکراتا ہوا اپنے کانوں کو چھو رہا تھا۔

شامیر تشکر سے مسکرایا اور گھوم کہ مہر کے سامنے ہوا۔ اپنی شال اتاری، مہر کے کندھوں پر ڈال دی۔
مہر شرماتی لجاتی اس کی شال میں چھت گئ۔
جلدی کریں سب نیچے منگنی کی انگوٹھیاں پکڑے انتظار کر رہے ہیں۔ اور آپ یہاں سرِعام رومینس فرما رہے ہیں۔۔۔ ذین کی آواز پھر سے گونجی

اچھا بس۔۔۔!! منگنی!! میں تو نکاح کا سوچ رہا تھا۔۔۔ شامیر نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کرتے کوئ ذین اور مہر کو دیکھا۔

مہر کا چہرہ بلش کرنے لگا۔ اس نے شامیر کے بازو پر ذرا سی چٹکی کاٹ کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

۔۔ بھائی گرم گرم کھاؤ گے تو منہ جل جائے گا۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔۔۔ ذین نے مسکرا کے کہا

۔۔ ایسا نہ ہو صبر کرتے کرتے پھل کو ہی اُلی لگ جائے۔۔۔
شامیر کی بات پہ ذین کھل کے مسکرایا۔ پیار بھری نظر ڈال کر واپس چلا گیا۔

شامیر نے محبت پاش نظروں سے مہر کو دیکھا۔

!ہاں مجھے یاد آیا۔۔
میری ایک شرط ہے۔۔۔۔۔
مہر نے نا سمجھی سے شامیر کو دیکھا

تم کبھی فاطمہ سے جیلس نہیں ہوگی۔ بلکہ کسی بھی عورت سے جیلس نہیں ہوگی۔۔۔

مہر نے آئی بروا چکائی۔

میری جان آپ جیلس ہونے میں بہت بری ہیں۔
اسی حساب سے چلتا رہا تو ہم بہت جلد کنگال ہو جائیں گے۔۔۔اور وہ میری شال کس خوشی میں ادھیڑی تھی درگاہ پہ لڑکی تم کتنا نقصان کرواؤگی مجھ غریب کا۔۔۔شامیر نے مسکین سی صورت بنائی۔

مہر شرمندہ سا مسکرائی۔

اور جو وہ رومان بھائی چاچو شیدے کی بیٹی کا پوچھ رہے تھے۔اس کا حساب کون دے گا؟

آپ کی بار شامیر نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔اور تھوڑا خجل سا مسکرایا۔

For more visit (exponovels.com)

اب جلدی کرو۔ جاؤ دوپٹہ لے کر آؤ سارے انتظار کر رہے ہیں، کب تک میری شال پہ نظر رکھو گی۔

مسکرا کے پھر بولا۔۔۔۔۔

۔کہیں بابا سرکار کا پھر سے ارادہ ہی نہ بدل جائے۔

اب مہر بھی مسکرا دی۔

شامیر دو قدم اس کے قریب ہوا۔ شال جو کندھوں پر انگلی کی پور سے اسکی گال کو چھوا۔ پڑی ہوئی تھی اس کے سر پہ سجا دی۔

عالم ارواح سے نکلی بھٹکتی روحوں کو اپنی من پسند روح مل گئی تھی۔

Itfeltlove

How
Didtheroseeveropenitsheart,

Andgivetothisworld
Allits
Beauty?

Otherwise,
Weallremain
Too
Frightened۔
HafezofPersia۔

پروفیسر صاحب نے رومان اور فاطمہ کی شا ی طے کر دی تھی۔ سیلن ایمرے کے ساتھ خوش تھی۔ کبھی کبھار اس کو پاکستان والے قصے یا پاکستانی لوگ یاد آتے تو اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ وہ اپنے ہنی مون کے لیے ایمرے کے ساتھ پاکستان کے ناردرن ایریاز آئی تھی۔ مگر اس نے کسی سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

بعض اوقات کسی کے دل میں رہنے کے لئے اس سے تھوڑا دور رہنا پڑتا ہے۔

For more visit (exponovels.com)

زین اور ایمان کو بیٹے کی صورت میں محبت کا تحفہ ملا تھا۔ کشف کو رنگین دنیا راس نہیں آئی تھی۔ اس نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اللہ کی بنائی ہوئی حدود میں رہ کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ ممتا کو ترستے بچوں کو ماں کی آغوش سکون دے رہی تھی۔
مہر کو وہ من پسند شخص مل گیا تھا۔ جس سے بات کر کے صدیوں کی تھکن بھی اتر جاتی ہو۔
اپنے اپنے مداروں سے بھٹکے ہوئے سیارے اب اپنی حقیقی جگہ پر موجود تھے۔ محبت ان سیاروں کو انرجی دینے والا منبع بن گئی تھی۔

محبت کا دعویدار تو ہر کوئی ہے۔ محبت ہو جانا بھی کوئی خاص بڑی بات نہیں ہے۔ کمال کی بات محبت نبھانا ہے۔ لاڈ اٹھانا ہے۔ اور عشق کے قانون کا پہلا اصول ہی فنا فی الزات ہے۔
عشق میں یہ مقام قُرب کی منزل سے گزر کر جان توڑ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

Ihavebecomeyou,andyoume,
Iamthebody,yousoul;
So,thatnoonecansayhereafter,
Thatyouarearesomeone,andmesomeoneelse,

امیر خسرو

For more visit (exponovels.com)